بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

فَاسْتَبِقُوا الْخَیْرٰتِ

مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ کا ترجمان
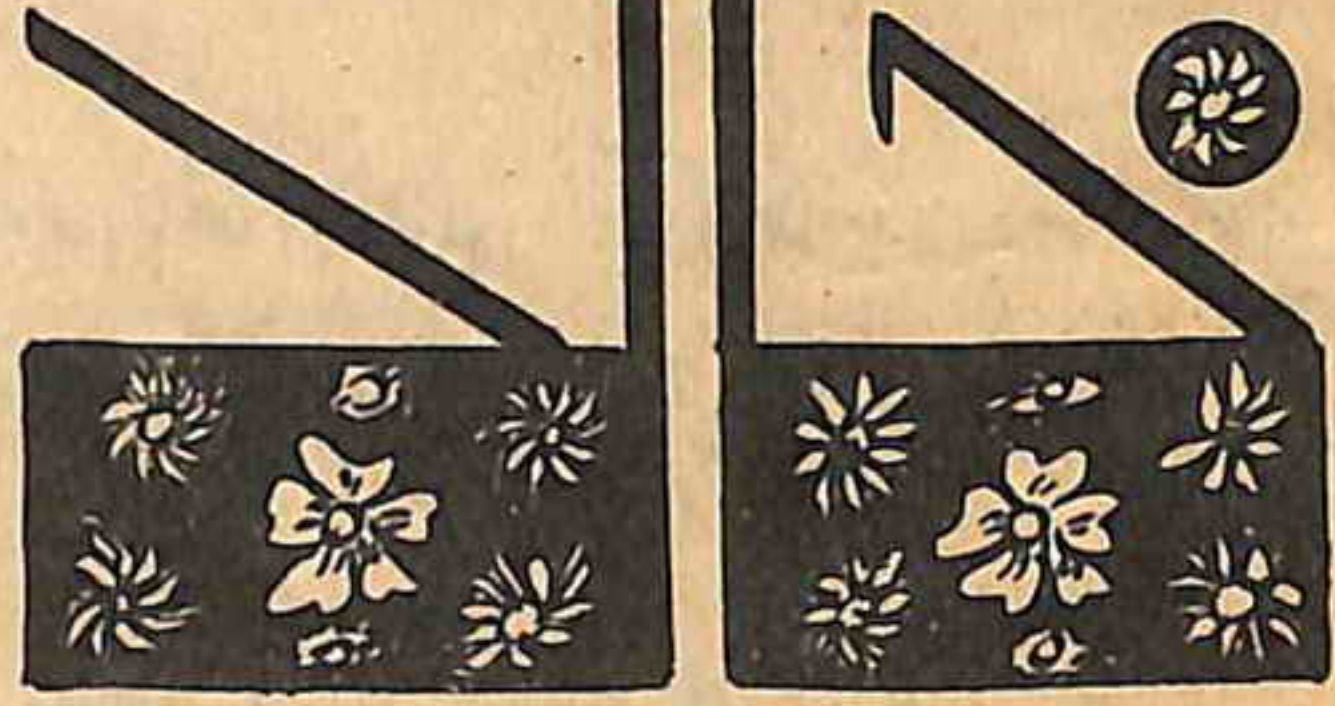
مارچ سنہ ۱۹۸۵ء

ماہنامہ

خالد

ربوہ

مُدیر :- منیر احمد جاوید

نائب مُدیر :- عبد السمیع خاں

معاونین :- محمود احمد شاد، محمد عثمان شاہد، مشہود احمد

اِس شمارے میں

سالانہ چندہ : ۲۵ روپے

ماہانہ : ۲ روپے ۵۰ پیسے

ممالکِ بیرون : ۱۵۰ روپے

جلد ۳۲

شمارہ ۳

پبلشر :- مبارک احمد خالد

پرنٹر :- سید عبدالحی

مطبع :- ضیاء الاسلام۔ ربوہ

مقامِ اشاعت :- دفتر ماہنامہ "خالد" دارالصدر جنوبی ربوہ

رجسٹرڈ نمبر ایل : ۵۸۳۰

اداریہ

آپ کے اِس محبوب ماہنامہ کا اجراء آج سے قریباً تینتیس ۳۳ سال قبل اکتوبر ۱۹۵۲ء میں ہؤا تھا اور آپ ہی کی قلمی کاوشوں سے یہ نشوونما پاتا رہا۔ "خالد" آپ ہی کا ہے آپ ہی کے لئے ہے۔ یہ رسالہ اپنی تاسیس سے علمی اور تربیتی مضامین، شعری ادب اور رُوحانیت کے گلہائے رنگارنگ اپنے دامن میں لئے ہمیشہ طلوع ہوتا رہا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل اور آپ کی دعاؤں سے ہمیشہ بلندیاں حاصل کرتا رہا ہے اور سوائے ناگزیر حالات کے کبھی اِس کی اشاعت میں ناغہ نہیں ہؤا۔

جیسا کہ آپ جانتے ہیں ماہِ جنوری ۱۹۸۵ء کا شمارہ تیار ہو رہا تھا کہ حکومت نے تین ماہ کے لئے ضیاء الاسلام پریس کو سِیل کرنے کے احکامات جاری کر دیئے جس کے نتیجہ میں آپ کچھ عرصہ کے لئے اپنے اِس محبوب رسالہ کے فیض سے محروم رہے۔

جماعتِ احمدیہ ایک امن پسند اور پابندِ قانون جماعت ہے ہم نے نہ پہلے کبھی امورِ معروفہ میں حکومت کی نافرمانی کی ہے اور نہ ہی آئندہ کریں گے۔

یہ رسالہ جنوری میں اپنے ابتدائی مراحل طے کر رہا تھا اور میلاد النبیؐ کی مناسبت سے اِس کا ایک حصّہ سیرت الرسولؐ پر مشتمل تھا جو کہ اب شاملِ اشاعت ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت و سوانح کی کئی خوبصورت باتیں یاد دلاتا ہے۔

ہم ایک بار پھر قارئین سے اپنے رسالہ کی قلمی اعانت کی درخواست کرتے ہیں۔ آپ ہی کی محنت اِس کو نکھارتی ہے اور آپ ہی کی توجّہ اس کے حُسن میں چار چاند لگانے کا موجب بنتی ہے۔ پس اپنی ذہنی صلاحیتوں کو بھی اُبھرنے کا موقع دیں اور "خالد" کو بھی نئی شان عطا کریں۔

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب

خدائی رحمت کی بے حساب وسعت

قرآن مجید میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے "عَذَابِیْ اُصِیْبُ بِہٖ مَنْ اَشَآءُ وَ رَحْمَتِیْ وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ" یعنی میرا عذاب تو میرے عام قانون کے ماتحت صرف اُن لوگوں کو پہنچتا ہے جو کسی امر میں خلاف ورزی کر کے اس قانون کی زد میں آجاتے ہیں لیکن میری رحمت ہر چیز پر وسیع ہے اور اس کے لئے کوئی حد بندی نہیں۔ اِس لطیف آیت میں جو مَنْ اَشَآءُ کے الفاظ آتے ہیں ان سے قرآنی محاورہ کے مطابق خدا تعالیٰ کا عام قانون مراد ہے ورنہ نعوذ باللہ یہ منشاء نہیں کہ عذاب تو خدا کی مرضی کے مطابق آتا ہے مگر رحمت گویا اس کی مرضی کی حدود کو توڑ کر بے اختیار نکلتی رہتی ہے۔ چنانچہ جہاں جہاں بھی قرآن مجید میں خدا کی مشیّت کا ذکر آتا ہے اور اِس قسم کے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں کہ لَوْ شَآءَ اللّٰہُ و اِنْ شَآءَ اللّٰہُ وغیرہ وغیرہ وہاں خدا تعالیٰ کے عام قانون قضا و قدر اور عام قانون جزاء و سزا کی طرف ہی اشارہ کرنا مقصود ہوتا ہے اور یہ ایک خاص نکتہ ہے جو دوستوں کو یاد رکھنا چاہیئے کیونکہ اس سے قرآنی تفسیر میں بہت سی مشکلات کے حل کا رستہ کھلتا ہے۔

اوپر کی درج شدہ آیت کے علاوہ حدیث میں بھی خدائی رحمت کے متعلق یہ الفاظ آتے ہیں کہ رحمتی غلبت غضبی یعنی خدا تعالیٰ نے یہ لکھ رکھا کہ میری رحمت ہمیشہ میرے غضب پر غالب رہے گی یعنی میرے اِنعام اور میرے عفو کا پہلو میرے غضب اور میری سزا کے پہلو سے کبھی مغلوب نہیں ہوگا اور میری بخشش اور میری عنایات کا پرچم ہمیشہ بلند و بالا ہو کر لہراتا رہے گا اور کبھی سرنگوں نہیں ہوگا۔ چنانچہ اسی عدیم المثال رحمتِ خداوندی کی تشریح میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم دوسری حدیث میں فرماتے ہیں کہ:-

یَدْخُلُ مِنْ اُمَّتِیْ زُمْرَۃٌ هُمْ سَبْعُوْنَ اَلْفًا لَا حِسَابَ عَلَيْهِمْ تُضِيْءُ وُجُوْهُهُمْ اِضَاءَةَ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ۔

یعنی میری اُمّت میں سے ستّر ہزار انسان بغیر کسی حساب کتاب کے جنّت میں داخل ہوں گے۔ انکے چہرے اِس طرح چمکتے ہوں گے جس طرح کہ چودھویں رات میں چاند چمکتا ہے۔

اِس لطیف حدیث میں اِس حقیقت کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ حضرت افضل الرسل رحمۃٌ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کا رُوحانی فیض اتنے کمال کو پہنچا ہوُا ہے اور آپؐ کی ربّانی تاثیرات اتنی بلند پایہ ہیں کہ آپؐ کی اُمّت میں سے ستّر ہزار انسان (جس سے عربی محاورہ کے مطابق بے شمار تعداد مراد ہے) ایسے روحانی مرتبہ پر فائز ہوں گے اور ان کے لئے خدائی فضل وکرم اس قدر جوش میں ہوگا کہ قیامت کے دن ان کے حساب وکتاب کی ضرورت نہیں سمجھی جائے گی اور وہ گویا بغیر امتحان کے ہی پاس شمار کئے جائیں گے۔ اور ضمناً اِس حدیث میں یہ بھی اشارہ ہے کہ اس پاک گروہ کی عام بشری کمزوریاں اور معمولی انسانی لغزشیں ان کی غیر معمولی دینی خدمات اور ان کے قلبی تقویٰ وطہارت کی وجہ سے نظر انداز کر دی جائیں گی۔ یہ وہی ابدی فلسفۂ مغفرت ہے جو قرآن مجید نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے کہ:۔

اِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ

یعنی خدا تعالیٰ نے مثبت نیکیوں میں یہ تاثیر رکھی ہے کہ وہ انسانی کمزوریوں اور کوتاہیوں کو اِس طرح بہا کر لے جاتی ہیں جس طرح کہ پانی کا تیز دھارا خس وخاشاک کو بہالے جاتا ہے اور اس کا نام ونشان تک نہیں چھوڑتا۔

الغرض ہمارے مذہب میں خدائی رحمت کو اتنی وسعت حاصل ہے کہ اس کا کوئی حد وحساب نہیں۔ اور یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ خدائی رحمت کے دو پہلو ہیں ایک نیک جزاء اور انعام واکرام کی عدیم المثال افزائش اور دوسرے بخشش وستّاری اور عفو ومغفرت کا اکمل ترین اِظہار۔ رحمت کے یہ دونوں پہلو ہمارے خدا میں اِس درجہ اتم صورت میں پائے جاتے ہیں کہ کسی دوسرے مذہب میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ چنانچہ عیسائیوں نے تو گناہ کی معافی کے سوال کو خدائی عدل کے منافی سمجھ کر کفارہ کے غیر طبعی عقیدہ میں پناہ لی۔ اور ہندوؤں نے خدائی بخشش کو محدود قرار دیتے ہوئے تناسخ کا ظالمانہ عقیدہ ایجاد کیا اور نسلِ انسانی کو آواگون کے چکّر میں پھنسا کر بیٹھ گئے لیکن ہمارا خدا اپنی رحمت کی وسعت اور انسان کی مثبت نیکیوں کی زبردست تاثیر اور سچّے پرستار کی صالح نیّت کی بناء پر کس شان اور کس زور کے ساتھ فرماتا ہے کہ:۔

لَا تَيْئَسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ ...
... اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا۔

یعنی اے مومنو! خدا کی رحمت سے کسی صورت میں بھی مایوس نہ ہُوا کرو۔۔۔ تمہارا خدا سارے گناہوں کو معاف کر سکتا ہے مگر بشرط وہی ہے کہ انّ الحسنات یذھبن السیّئات یعنی نیکیوں کے پانی سے گناہ کی آگ کو بُجھاتے چلے جاؤ

اور خدا کے دامن سے چمٹے رہو۔

اسی تعلق میں مجھے حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کا ایک نہایت لطیف حوالہ ملا ہے جس سے رُوح گویا وجد میں آکر جھومنے لگتی ہے۔ حضور خدائی رحمت و بخشش کی وسعت کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

"میں پھر نصیحت کرتا ہوں کہ تم اپنے نفسوں کا مطالعہ کرو۔ ہر ایک بدی کو چھوڑ دو لیکن بدیوں کو چھوڑ دینا کسی کے اختیار میں نہیں اس واسطے راتوں کو اُٹھ اُٹھ کر تہجد میں خدا کے حضور دعائیں کرو۔ وہی تمہارا پیدا کرنے والا ہے چنانچہ فرماتا ہے خَلَقَکُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ۔ پس اور کون ہے جو ان بدیوں کو دُور کر کے نیکیوں کی توفیق تم کو دے۔ بعض لوگ کم ہمت ہوتے ہیں تم ایسے مت بنو۔ کئی خطوط میرے پاس آتے ہیں وہ لکھتے ہیں کہ ہم نے بہت نماز وظیفہ کیا مگر کچھ بھی حاصل نہیں ہوا۔ ایسا آدمی جو تھک جائے نامرد اور مخنّث ہے۔ یاد رکھو ؎

گر نہ باشد بدست رہ بُردن
شرطِ عشق است در طلب مُردن

جو شخص جلد گھبرا جائے وہ مرد نہیں کسی بات کی پروا نہ کرو خواہ جذبات پہلے سے بھی زیادہ جوش ماریں پھر بھی مایوس نہ ہو۔ یقیناً خدا رحیم کریم اور حلیم ہے وہ دعا کرنے والے کو ضائع نہیں کرتا تم دُعا میں مصروف رہو اور اس بات سے مت گھبراؤ کہ جذباتِ انسانی کے جوش سے گناہ صادر ہو جاتا ہے۔ وہ خدا سب کا حاکم ہے وہ چاہے تو فرشتوں کو بھی حکم کر سکتا ہے کہ تمہارے گناہ نہ لکھے جائیں۔" (تقریر جلسہ سالانہ ۱۹۰۶ء مطبوعہ بدر ۱۰ جنوری ۱۹۰۷ء)

یہ لطیف تحریر انسان کی طرف سے مجاہدہ اور خدا کی طرف سے مغفرت کے فلسفہ کی جان ہے کیونکہ مجاہدہ یعنی اعمالِ صالحہ کی شب و روز کوشش کی وجہ سے انسان طبعاً گناہ پر دلیر ہونے سے ڈرتا اور خوف کھاتا ہے اور دوسری طرف خدائی مغفرت کا تصوّر اسے لازماً مایوس ہونے سے بچاتا ہے اور کوشش ترک کرنے سے باز رکھتا ہے۔ یہی وہ حقیقت ہے جس کے متعلق کہا گیا ہے کہ الایمان بین الرجاء والخوف یعنی ایمان کی سلامتی امید اور خوف کے بین بین رہنے میں مضمر ہے پس حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کی مندرجہ بالا تحریر کے آخر میں جو یہ الفاظ آتے ہیں کہ "خدا سب کا حاکم ہے وہ چاہے تو فرشتوں کو بھی حکم کر سکتا ہے کہ تمہارے گناہ نہ لکھے جائیں" ان کا منشاء ہرگز یہ نہیں ہے کہ انسان کو گناہ پر دلیر کیا جائے بلکہ یہ الفاظ گنہگار انسانوں کو مایوس ہونے سے بچانے اور ہر حال میں نفس کے مجاہدہ میں لگائے رکھنے اور ہر صورت میں خدائی رحمت پر بھروسہ

کرنے کی طرف توجہ دلانے کے لئے بیان کئے گئے ہیں۔

در اصل بعض مومنوں کا یہ مقام کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فداہ نفسی کی حدیث کے مطابق بغیر حساب کے بخشش پانے والے گروہ میں شامل ہو جائیں۔ یا حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کے قول کے مطابق فرشتے ان کی بعض کمزوریوں اور لغزشوں کے لکھنے سے ہاتھ کھینچ لیں اس کے لئے جیسا کہ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کے مندرجہ بالا حوالہ سے ظاہر ہے بعض خاص شرائط کا پایا جانا ضروری ہے اور وہ شرائط یہ ہیں :-

۱ - یہ کہ صرف وہی شخص اس مخصوص خدائی رحمت کا جاذب بن سکتا ہے جو اپنے نفس کے مطالعہ میں مصروف رہے یعنی بالفاظِ دیگر اسے دل کا تقویٰ حاصل ہو جو گویا اعمالِ صالحہ کی رُوح ہے جس کے بغیر کوئی شخص اپنے نفس کے جائزہ کی طرف متوجہ نہیں رہ سکتا۔ اور دل کا تقویٰ وہ چیز ہے جسکے متعلق حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ فرماتے ہیں کہ :-

ہر اک نیکی کی جڑ یہ اِتّقا ہے
اگر یہ جڑ رہی سب کچھ رہا ہے

۲ - وہ بدیوں کو ترک کرنے کی مسلسل کوشش کرتا رہے اور خواہ وہ اس کوشش میں کتنا ہی ناکام رہے مگر کسی صورت میں اس کوشش کو نہ چھوڑے اور نفس کا مجاہدہ برابر جاری رکھے۔

۳ - وہ دعاؤں میں لگا رہے اور ہر حال میں خدائی نصرت و حفاظت کا طالب ہو۔

۴ - وہ نمازِ تہجد کا اِلتزام کرے اور راتوں کو اُٹھ اُٹھ کر خدا تعالیٰ کے سامنے سجدہ میں گڑگڑانے کی عادت ڈالے کیونکہ تہجّد وہ چیز ہے جو قرآنی تعلیم کے مطابق نفس کی خواہشوں کو کُچلتی اور دعاؤں کی قبولیت کا رستہ کھولتی اور انسان کو اس کے ذاتی مقامِ محمود تک پہنچانے میں مدد دیتی ہے۔

۵ - وہ ثابت قدم اور مستقل مزاج ہو اور دعاؤں اور بدیوں کو ترک کرنے کی کوشش میں تھک کر ہار نہ بیٹھے اور خدا کے رستہ میں نامردی نہ دکھائے بلکہ مردانہ وار لڑتا رہے خواہ بظاہر شکست ہی کھائے۔ اگر وہ خدا تک نہیں پہنچ سکتا تو کم از کم اس تک پہنچنے کی کوشش میں جان دے دے۔

۶ - وہ کسی صورت میں بھی خدا کی رحمت سے مایوس نہ ہو اور خواہ اس کے نفس کی خواہشیں کتنا ہی جوش ماریں وہ ہر حال میں خدا کی رحمت اور مغفرت پر بھروسہ رکھے اور اس کے متعلق بدظنی سے کام نہ لے۔

یہ وہ چھ اصولی شرائط ہیں جو حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کے اِس لطیف حوالہ سے ثابت ہوتی ہیں۔ اور اِس میں کیا شُبہ ہے کہ جس شخص میں یہ شرائط پائی جائیں وہ اپنی بعض کمزوریوں کے باوجود خدائی نعمتوں کا وارث بنے گا اور اس کی نیکیوں اور دعاؤں اور دل کے تقویٰ کی وجہ سے فرشتے اس کی لغزشوں کے لکھنے سے رُکے رہیں گے۔ یہ وہی اَبدی فلسفۂ مغفرت ہے جس کی طرف جیسا کہ مَیں نے اُوپر لکھا ہے قرآن مجید نے اِن الفاظ میں اشارہ کیا

ہے کہ :-

"اِنَّ الْحَسَنَاتِ یُذْھِبْنَ السَّیِّئَاتِ۔ یعنی نیکیاں بدیوں کو خس و خاشاک کی طرح بہا کر لے جاتی ہیں اور خدا کے ریکارڈ میں ان کا نام و نشان نہیں چھوڑتیں"۔

پس آؤ کہ ہم اپنے خدا سے یہ عہد کریں کہ ہم ان چھ شرائط کے پابند رہیں گے جن کی طرف حضرت بانی سلسلہ احمدیہ نے اشارہ فرمایا ہے یعنی ہم اپنے دلوں میں تقویٰ کا درخت لگائیں گے جو عملِ صالح کی رُوح اور ہر ایک نیکی کی جڑ ہے۔ ہم اپنی کمزوریوں کو دُور کرنے کے لئے ہمیشہ کوشاں رہیں گے۔ ہم دعاؤں کو اپنی حرزِ جان بنائیں گے اور خصوصاً تہجد کے لئے جوف اللّیل میں اُٹھ کر دعاؤں کی عادت ڈالیں گے۔ ہم ثابت قدمی اور مستقل مزاجی کے ساتھ ہر حال میں خدا کے دامن سے لپٹے رہیں گے۔ اور ہم کسی صورت میں بھی اس کی رحمت سے مایوس نہیں ہوں گے تاکہ جب ہم قیامت کے دن خدا کے دربار میں حاضر ہوں تو ہم دیکھیں کہ ہماری نیکیاں تو چاندی کے حروف میں لکھی ہوئی نورانی کرنوں کے ساتھ چمک رہی ہیں مگر ہماری کمزوریوں کے صفحات خالی ہیں کیونکہ فرشتوں نے خدا کا اشارہ پاکر انہیں لکھنے سے اپنے ہاتھ روک لئے تھے۔ اے خدا تُو ایسا ہی کر اور اپنے حبیب سرورِ کائنات صلے اللہ علیہ وسلم اور اپنے محبوب پاک کے قدموں کے طفیل ہمیں حشر کے دن شرمندہ اور ذلیل ہونے سے محفوظ رکھ۔ وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰی رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِیْعَاد

● دُکھ اور سُکھ، عزّت اور ذِلّت سب اللہ کی طرف سے ہیں

شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ شام کے ایک شہر میں کہرام بپا ہو گیا۔ لوگوں نے اس کا سبب پوچھا تو معلوم ہوُا سپاہی ایک پارسا کو پکڑ کر لے گئے ہیں میں اس مردِ حق کو قید خانے میں ملنے گیا تو دیکھا کہ وہ نہایت اطمینان سے وہاں بیٹھا ہے اور اس کے چہرے پر ملال یا تردّد کا نام و نشان تک نہیں۔ مَیں نے اس سے پُوچھا کہ آپ اس قدر مطمئن کیوں ہیں۔ اس نے کہا ؎

اگر عزّ و جاہ است گر ذل و قید
من از حق شناسم نہ از عمرو زید
بخور ہرچہ آید ز دستِ حبیب
نہ بیمار دانا تر است از طبیب

خواہ عزّت اور مرتبہ ہو یا ذلّت اور قید، مَیں اسے اللہ کی طرف سے سمجھتا ہوں نہ کہ عمرو زید کی طرف سے۔ محبوب کے ہاتھ سے جو ملے کھا لو کیونکہ بیمار طبیب سے زیادہ دانا نہیں ہوتا۔

(حکایاتِ سعدی اردو مطبوعہ شعاع ادب لاہور)

کمالاتِ خاصہ سب سے زیادہ معطّر وجود

"چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی پاک باطنی اور انشراح صدری و عصمت و حیاء و صدق و صفا و توکّل و وفا و عشقِ الٰہی کے تمام لوازم میں سب انبیاء سے بڑھ کر اور سب سے افضل و اعلیٰ و اکمل و ارفع و اجلیٰ و اصفیٰ تھے اِس لئے خدائے جلّ شانہٗ نے ان کو عطرِ کمالاتِ خاصّہ سے سب سے زیادہ معطّر کیا اور وہ سینہ و دِل جو تمام اوّلین و آخرین کے سینہ و دل سے فراخ تر و پاک تر و معصوم تر و روشن تر و عاشق تر تھا اسی لائق ٹھہرا کہ اس پر ایسی وحی نازل ہو کہ جو تمام اوّلین و آخرین کی وحیوں سے اقویٰ و اکمل و ارفع و اتم ہو کر صفاتِ الٰہیہ کے دکھلانے کے لئے ایک نہایت صاف اور کشادہ اور وسیع آئینہ ہو سو یہی وجہ ہے کہ قرآن شریف ایسے کمالاتِ عالیہ رکھتا ہے جو اس کی تیز شعاعوں اور شوخ کرنوں کے آگے تمام صحفِ سابقہ کی چمک کالعدم ہو رہی ہے۔"

(سُرمہ چشم آریہ)

محمّدِ عربی بادشاہِ ہر دوسَرا

"اب اِس تمام تقریر اور مدّعا کا خلاصہ یہ ہے کہ عند العقل قُربِ الٰہی کے مراتب تین قسم پر منقسم ہیں اور تیسرا مرتبہ قُرب کا جو مظہرِ اتم الوہیت اور آئینہ خدا نما ہے حضرت سیّدنا و مولانا محمد مصطفےٰ کے لئے مسلّم ہے جس کی شعاعیں ہزار ہا لوں کو منوّر کر رہی ہیں اور بیشمار سینوں کو اندرونی ظلمتوں سے پاک کر کے نورِ قدیم تک پہنچا رہی ہیں۔ وللہ درّ القائل ؎

محمّدِ عربی بادشاہِ ہر دوسَرا
کرے ہے روحِ قدس جس کے دَر کی دربانی
اسے خدا تو نہیں کہہ سکوں پہ کہتا ہوں
کہ اُس کی مرتبہ دانی میں ہے خدا دانی

کیا ہی خوش نصیب وہ آدمی ہے جس نے محمد مصطفےٰ کو پیشوائی کے لئے قبول کیا اور قرآن شریف کو رہنمائی کے لئے اختیار کیا۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔

(براہین احمدیہ)

جناب نصیر احمد قمر ـــــ مدیر تشحیذ الاذہان

ہمارے آقا و مولیٰ حضرت خاتم الانبیاء محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تمام اخلاقِ حسنہ سے متصف تھے۔ آپ کا ہر عمل قرآن کریم کا پرتو تھا۔

حدیث میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ چند لوگوں نے اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق سے متعلق دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کیا تم قرآن نہیں پڑھتے؟ کَانَ خُلُقُہُ الْقُرْآن۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق تو قرآن تھے۔

اخلاقِ نبویؐ سے متعلق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ جواب نہایت مختصر مگر بہت جامع ہے۔ اس ایک جملے میں جہاں آپ نے خُلقِ نبویؐ کو سمیٹ کر گویا سمندر کو کوزے میں بند کر دیا ہے۔ وہاں آپ کا یہ جواب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور آپ کے اخلاق عالیہ کے وسیع و عریض اور سدا بہار چمنستان کے لئے ایک عظیم الشان باب کی حیثیت رکھتا ہے۔ اور آپ کا یہ جملہ خُلقِ نبویؐ کا تذکرہ کرنے والے اور آپ کی سیرتِ طیبہ پر لکھنے والے کے لئے روشنی کا ایک مینار ہے۔ یہ وہ میزان ہے جس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کو پرکھا جا سکتا ہے۔

آپ کا یہ فرمانا کہ حضورؐ کے اخلاق عین قرآن تھے۔ دراصل اس قرآنی آیت کی تفسیر ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے یہ اعلان کروایا ہے کہ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰی اِلَیَّ کہ میں تو اس کلام کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف وحی کیا گیا ہے۔ آپ کا اٹھنا، آپ کا بیٹھنا، آپ کا سونا، آپ کا جاگنا، آپ کا بولنا اور آپ کا خاموش رہنا۔ آپ کی عبادات اور معاملات۔ غرضیکہ آپ کی ہر حرکت و سکون وحی الٰہی کے تابع، قرآن کے مطابق اور شریعت کے ماتحت تھی۔ آپ اپنی تعلیم کا خود نمونہ تھے۔ قرآن عظیم کی صورت میں آپ نے دُنیا کو خدا تعالیٰ کے جو احکامات پہنچائے۔ آپ نے ان پر خود عمل کر کے دکھایا۔ اخلاقِ حسنہ کی جو تفصیلات قرآن مجید میں بیان ہوئیں۔ خود انہیں عملی جامہ پہنایا اور یوں دُنیا کو بتا دیا کہ قرآن مجید ایک قابلِ عمل کتاب ہے۔

حق سے جو حکم آئے اس نے وہ کر دکھائے
جو راز تھے بتائے نعم العطا یہی ہے

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سوال کرنے والوں کے جواب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاقِ عالیہ

کی تفصیلات بیان نہیں فرماتیں بلکہ آپ کے اخلاق کو مجسّم قرآن قرار دے کر گویا یہ فرماتی ہیں کہ میں کس کس خُلق کا ذکر کروں۔ کیا تم قرآن نہیں پڑھتے۔ آپؐ کے اخلاق قرآن تھے۔ کیا قرآن کے معارف اور حقائق اور اس کے عجائبات کا کوئی احاطہ کر سکتا ہے جو حضورؐ کے اخلاق کو بیان کیا جا سکے۔ آپؐ کے اخلاق تو قرآن تھے۔ ہاں قرآن کی طرح مقدّس اور پاکیزہ۔ قرآن کی مانند کامل اور مکمّل۔ بے عیب اور لاریب۔

حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے قرآن کریم سے متعلق فرمایا۔ لَا تَنْقَضِیْ عَجَائِبُہٗ وَلَا یَخْلُقُ عَنْ کَثْرَۃِ الرَّدِّ۔ کہ قرآن کے عجائبات، اس کے معارف ختم ہونے والے نہیں۔ اور نہ یہ بار بار کے تکرار سے پُرانا ہونے والا ہے۔ بلا شُبہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کے خُلقِ عظیم بھی ایک نہ ختم ہونے والے خزانے کی مانند ہیں۔ اور ان کی کثرت تکرار نہ صرف یہ کہ انہیں پرانا اور بوسیدہ نہیں کرتی بلکہ اس سے ان کے حُسن کے نئے زاویے نمایاں ہوتے ہیں۔ وہ روشن سے روشن تر ہوتے چلے جاتے ہیں۔ ان کی خوبی و دلکشی میں مسلسل اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ اور محاسنِ نبویؐ کا محبت بھرا ذکر ہر مرتبہ انسان کو ایک نئی لذّت اور معرفت بخشتا ہے۔

"کَانَ خُلُقُہُ الْقُرْاٰنَ" کا مطلب یہ ہے کہ قرآنِ مجید اخلاقِ محمدیؐ کا آئینہ ہے۔ حضورؐ کی سیرت سے قرآن کی عملی صورتیں ظاہر ہوتی ہیں اور قرآن سے سیرت کی عملی شکل نمایاں ہوتی ہے۔ کتابِ الٰہی اور صاحبِ کتاب ایک دوسرے سے اس طرح پیوستہ ہیں کہ انہیں الگ نہیں کیا جا سکتا۔ ؏

این دو شمع اند کہ از یک دگر افروختہ اند

قرآن خدا کا کلام ہے تو قول و فعلِ رسول صلی اللہ علیہ وسلّم کلامِ الٰہی کی تفسیر اور اس کی عملی تصویر۔

"کَانَ خُلُقُہُ الْقُرْاٰنَ" کے الفاظ میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ جس طرح قرآن کریم ہر قسم کے تضادات سے پاک ہے۔ اسی طرح خلقِ محمدیؐ میں تمہیں کوئی تضاد، کوئی اختلاف نظر نہیں آئے گا اور ان الفاظ میں یہ حقیقت بھی موجود ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے اخلاق اور آپ کی سیرت سے متعلق کوئی ایسی بات پیش نہیں کی جا سکتی جو قرآن سے ٹکراتی ہو۔ کیونکہ آپ کے اخلاق عین قرآن تھے۔ اس لئے اگر کوئی شخص رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلّم کی طرف ایسے اقوال یا افعال منسوب کرتا ہے جو قرآنی تعلیمات و تصریحات کے منافی ہیں تو وہ غلطی خوردہ ہے کیونکہ آپ کی تو ساری زندگی اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰی اِلَیَّ کی مصداق تھی۔ اور آپ کے تمام اخلاق قرآن کے عین مطابق تھے۔

"کَانَ خُلُقُہُ الْقُرْاٰنَ" کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ سارے کا سارا قرآن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کے شمائلِ حسنہ اور آپ کے اخلاقِ عالیہ کے ذکر سے معمور

ہے۔ قرآن حکیم نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ اور آپؐ کے خلقِ عظیم کو جابجا بیان فرمایا ہے۔ آپؐ کی سیرت وسوانح پر مختلف پیرایوں اور مختلف سیاق وسباق کے ساتھ بار بار توجہ دلائی ہے۔ اور بسا مقامات میں ایسا بھی ہے کہ "گفتہ آید در حدیث دیگراں" کا معاملہ ایک خاص قسم کا کیف وسرور پیدا کرنے کا موجب ہے۔ اگر احکام ہیں تو اسی شریعت کے جو حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئے حکمت اور نصیحت کی باتیں ہیں تو وہی جن کی عملی تصویر اُسوۂ محمدیؐ میں موجود ہے۔ قصص ہیں تو انہی فضائل ومراتب کے جو سب کے سب مرتبۂ جامعیتِ محمدیؐ میں بوجہ اتم واکمل جمع ہوگئے۔ فضائلِ انبیاء کا جو کچھ تذکرہ ہے وہ گو بلا واسطہ دوسروں کی حکایت ہو مگر بالواسطہ مقصود اسی وجودِ اکمل وارفع سے ہے۔ جس کا نامِ نامی محمدؐ ہے صلی اللہ علیہ وسلم۔ گویا قرآن میں اوّل سے آخر تک اسی کے حسن وجمال کا تذکرہ ہے۔

مع وَکُلٌّ اِلٰی ذَاکَ الْجَمَالِ یُشِیْرُ

پھر قرآن کیا ہے۔ یہ خاتم الکتب ہے تمام تعلیمات۔ وصایا اور معارف جو مختلف کتابوں میں چلے آتے ہیں وہ قرآن شریف پر آکر ختم ہوگئے۔ اسی طرح حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین قرار دیئے گئے۔ یعنی وہ تمام کمالاتِ متفرقہ جو آدمؑ سے لے کر مسیح ابنِ مریمؑ تک نبیوں کو دیئے گئے تھے۔ کسی کو کوئی اور کسی کو کوئی۔ وہ سب کے سب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں جمع کر دیئے گئے۔ آپؐ کے اخلاق سے متعلق قرآن مجید نے خود گواہی دی فرمایا۔ اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا اِنَّمَا بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَکَارِمَ الْاَخْلَاقِ۔

سیّدنا حضرت اقدس بانیٔ سلسلہ عالیہ احمدیہ فرماتے ہیں:۔

"یاد رکھو کہ کتابِ مجید کے بھیجنے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے اللہ تعالیٰ نے یہ چاہا ہے کہ تا دُنیا پر عظیم الشان رحمت کا نمونہ دکھاوے جیسے فرمایا وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ۔ اور ایسا ہی قرآن مجید کی غرض بتائی کہ ھُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ یہ ایسی عظیم الشان اغراض ہیں کہ ان کی نظیر نہیں پائی جا سکتی۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے چاہا ہے کہ جیسے تمام کمالاتِ متفرقہ جو انبیاء علیہم السلام میں تھے وہ رسول اللہ صلعم کے وجود میں جمع کر دیوے اور تمام خوبیاں اور کمالات جو متفرق کتابوں میں تھے وہ قرآن شریف میں جمع کر دیوے۔"

(الحکم ۳۱ جولائی ۱۹۰۲ء)

بلاشبہ ؎

تَمَّتْ عَلَیْہِ صِفَاتُ کُلِّ مَزِیَّۃٍ
خُتِمَتْ بِہٖ نَعْمَآءُ کُلِّ زَمَانٖ

اور ؎ ختم شد بر نفسِ پاکش ہر کمال
لاجرم شد ختم ہر پیغمبرے

"پریم کہاں؟"

مَیں لفظوں کی تصویر بناؤں
اِک گیت انوکھی ایسا گاؤں
جو گیت ہو زخمی رُوحوں کا
جو گیت ہو ٹوٹے سینوں کا
اس گیت میں درد کے رنگوں سے
اور
کرب کی ساری قسموں سے
ایک شکستہ
دِل گرفتہ
آبلہ پا مسافر کی
صحرا میں پھیلے سفروں کی
تصویر بناؤں
وہ نگری نگری گھومتا تھا
آشاؤں کی آس لئے
امیدوں کو ساتھ لئے
پریم کی دِل میں پیاس لئے

بربط پہ گیت سُناتا تھا
اور
اس کی پریت کو گیتا میں
اِک نغمہ ایسا جپتا تھا
جس کا ہر اِک بول تھا درد
جس کا حرف و لفظ تھا درد
وہ درد بھرا نغمہ تھا کیا ؟
لوگو جہاں میں پریت کہاں
وہ پیار بھرے سنگیت کہاں
اس ظلم کی کالی دُنیا میں
پریم کا سوہنا نگر کہاں
مَیں سُنتا تھا اور روتا تھا
اس آبلہ پا شکستہ دِل
صحرا میں پھرنے والے کی
آوازوں کو !
اور سازوں کو !

★ ——— (فرخ - ربوہ)

حضورِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کا ایک نامۂ مبارک
فروہؓ گورنر معان کے نام

معانؔ، جزیرۃ العرب کے شمال مغرب میں عقبہ سے ۸۰ کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ اب یہ علاقہ شرقِ اُردن میں شامل ہے۔ زمانۂ نبوّت میں معان رومی (بیزنطینی) حکومت کے ماتحت تھا قیصرِ روم کی جانب سے فروہؔ اس کے گورنر تھے۔ جب ہادیٔ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شاہانِ عالم کے نام دعوتِ توحید کی شہرت اُن کے کان میں پہنچی تو وہ غائبانہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلانِ نبوّت اور اخلاق وعادات کی تحقیق کر کے ایمان لے آئے اور ایک شخص مسعود بن سعد کو خط دے کر بہت سے تحائف کے ساتھ خدمتِ اقدس میں بھیجا۔

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کے جواب میں فروہؔ کو تحریر فرمایا؛

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خدا کے رسول محمدؐ کی جانب سے ـــــ فروہؔ بن عمرو کے نام

"میرے پاس آپ کا قاصد پہنچا، اور جو ہدیے آپ نے بھیجے تھے وہ اُس نے پہنچا دیئے، آپ کے حالات بیان کئے، اور آپ کے اسلام قبول کرنے کا مژدہ سُنایا۔

اللہ نے آپ کو اپنی ہدایت سے سرفراز کیا ہے اگر آپ اللہ اور اُس کے رسولؐ کی اطاعت کرتے رہے اور اُن کے خیر خواہ رہے، نماز پڑھتے رہے اور زکوٰۃ ادا کرتے رہے تو یہ اللہ کی سب سے بڑی نعمت ہے، اور سمجھئے کہ اللہ نے آپ کو اپنی ہدایت سے سرفراز کیا ہے۔

(مہر: اللہ رسول محمد)

ایمان کے جُرم میں فروہؔ کی شہادت

قیصرِ روم کو جب اپنے گورنر کے قبولِ حق کی اطلاع ملی تو اُن کو دارالحکومت میں طلب کیا اور سخت تنبیہ کے ساتھ حکم دیا کہ اگر اپنی ریاست اور عہدے کو برقرار رکھنا چاہتے ہو تو اس نئے دین سے باز آؤ مگر قبولِ حق کا نشہ ایسا نہ تھا جو یوں آسانی سے اُتر جاتا انہوں نے نہایت دلیری سے انکار کر دیا۔

قیصر نے انہیں قید میں رکھے جانے کا حکم دیا اور جب جیل خانہ کی سختیاں بھی فروہؔ کو صداقت کے ترک کرنے پر آمادہ نہ کر سکیں تو قتل کا حکم دیا گیا اور بالآخر انہوں نے راہِ حق میں نہایت اطمینان اور سکون کے ساتھ فدا کارانہ اپنی جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی۔ آخری وقت میں جو شعر انکی زبان پر جاری تھا اس کا ترجمہ یہ ہے:۔

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو میری یہ خبر پہنچا دو کہ اپنے ربّ کے لئے میری ہڈیاں تک مطیع اور فرمانبردار رہی ہیں۔"

(طبقات ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۸۳،۱۳۲)

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کا ایک تعزیتی خط معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے نام

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ جلیل القدر صحابۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں سے ہیں۔ ان کا تعلق انصار سے تھا۔ آپ نے ہجرتِ نبویؐ سے قبل مدینہ منوّرہ میں حضرت مصعب بن عمیرؓ کے توجہ دلانے پر دینِ حق کو قبول کیا۔ اس وقت ان کی عمر ۱۸ سال تھی۔ طبیعت فطرتاً اثر پذیر واقع ہوئی تھی۔

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ۱۱ھ ۶۳۲ء میں اُن کو یمن کے مسلمانوں کی تعلیم کے لئے مامور فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی کہ ان کے فرزند کا انتقال ہو گیا ہے تو آپؐ نے حضرت معاذؓ کو تعزیتی نامۂ مبارک ارسال فرمایا جس میں مصائب پر صبر کرنے کی تلقین کی گئی تھی۔ مکتوبِ گرامی کا مضمون یہ ہے:۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محمد رسول اللہ کی جانب سے ـــــ معاذ بن جبل کے نام

السّلام علیک، مَیں خدائے واحد کی حمد کرتا ہوں اللہ تعالیٰ تمہارا اجر بڑھائے اور تمہارے غمگین دِل کو صبر عطا فرمائے اور شکرِ الٰہی کی توفیق بخشے۔

حقیقت میں ہماری جانیں، ہمارے اہل وعیال اور ہمارے اموال اللہ کے عطیات میں سے مستعار امانتیں ہیں۔ جب تک چاہتا ہے اپنے بندے کو اُس سے بہرہ ور فرماتا ہے، اور جب وقتِ مقررہ آجاتا ہے تو واپس لے لیتا ہے۔

بندے کا فرض ہے کہ اللہ جب کوئی نعمت عطا فرمائے تو اُس کا شُکر ادا کرے، اور جب وہ نعمت واپس لے لی جائے تو صبر کرنا چاہیئے۔

تمہارا فرزند اللہ کی ایک اچھی امانت تھا اُس نے جب تک چاہا تمہاری آنکھوں کو اُس سے ٹھنڈا رکھا اور جب چاہا اجرِ عظیم کے عوض میں تم سے لے لیا بشرطیکہ تم اللہ کی رضا پر صبر اختیار کرو۔

اے معاذؓ! اگر تم نے بے صبری اختیار کی تو تم اللہ کے یہاں اپنے اجر و ثواب کو ضائع کر دوگے اگر تمہیں یہ معلوم ہو جائے کہ اس صدمے پر تمہیں کس قدر اجر و ثواب اللہ کے یہاں دیا گیا ہے تو یہ صدمہ تمہاری نظر میں حقیر بن جائے گا۔

مصیبت اور تکلیف پر صبر کرنے والوں سے اللہ نے جو وعدہ کیا ہے بِلا شُبہ آخرت میں تم اُسے پورا پورا پاؤ گے، اللہ کے وعدے سے تمہارا غم ہلکا ہو جانا چاہیئے، جو ہونے والا ہے وہ ضرور پورا ہو کر رہتا ہے۔ والسلام

محمد رسول اللہ

(رسالاتِ نبویہ صفحہ ۲۷۰، ۲۷۷ بحوالہ حلیۃ ابو نعیم)

حقوق اللہ اور حقوق العباد کے درمیان حسین ترین توازن

عبدالسمیع خان - ربوہ

حضرت اقدس محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم حق پرستی اور خدا نمائی کا ایک ایسا پاک اور شفاف آئینہ ہیں کہ جدھر سے بھی دیکھیں تاحدِ نظر صفاتِ باری تعالیٰ کے جلووں کا ایک چمن مہک رہا ہے اور اخلاق اور روحانیت کے سدا بہار گلہائے رنگا رنگ کی خوشبوئیں مشامِ جاں کو معطر کر رہی ہیں۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کا ہر گوشہ ایک بحرِ ناپیدا کنار ہے جس کے ہر قطرہ کے اندر ہدایت و رہنمائی کے سمندر بند ہیں مگر منتہا ایک ہی ہے یعنی توحید باری تعالےٰ کا قیام اور ترکِ رضائے خویش پئے مرضیٔ خدا کا مضمون ہر جگہ جاری و ساری ہے۔

انسان کا سب سے پہلا سب سے اہم اور مستند دائرہ اس کی اہلی زندگی ہے حضورؐ کی اہلی زندگی پر نظر دوڑائیں اس کے بے شمار دلکش پہلوؤں میں سے عظیم ترین پہلو یہ ہے کہ آپؐ کی گھریلو زندگی اخروی جنّت کا ایک پرتو تھی جو ازواجِ مطہرات کے حجروں میں اُتر آئی تھی اور حضورؐ کی طرف سے بہنے والی حسنِ سلوک اور حسنِ تربیت کی نہریں ازواجِ مطہرات کے گھروں میں قلبی اطمینان اور سکون کے گھنے سایہ دار درختوں کی ابدی زندگی اور تازگی کی ضمانت بن گئی تھیں۔

آپؐ کی گھریلو زندگی اِس ارشادِ خداوندی کی ہو بہو تصویر تھی:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا۔

(التحریم: ۷)

یعنی اے مومنو! اپنی جانوں کو بھی اور اپنے اہل

کو بھی خدا کی ناراضگی کی جہنّم سے بچا کر رضوانِ یار کی جنّتوں کے حصول کے سامان پیدا کرو۔

پس حضورؐ کی اہلی زندگی کا ہر لمحہ اسی ارفع و اعلیٰ منزل کا سنگِ میل ہے۔ آپؐ نے ایک عالمگیر جنّتِ ارضی کے قیام کا آغاز اپنے گھر سے کیا اور اس مقصد کے لئے بڑی حکمت اور فراست کے ساتھ تبشیر و انذار، محبّت وخوف، ترغیب و تادیب اور جمال و جلال کا ہر ذریعہ اختیار کیا اور اس میدان میں یقیناً کوئی دوسرا فرد آپؐ کے پاسنگ کو بھی نہیں پہنچ سکتا۔ اسی لئے آپؐ فرماتے ہیں :۔

خَیْرُکُمْ خَیْرُکُمْ لِاَھْلِہٖ
وَاَنَا خَیْرُکُمْ لِاَھْلِیْ۔

(سنن ابنِ ماجہ۔ کتاب النکاح
باب حسن المعاشرہ)

یعنی تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو اپنے اہل و عیال کے ساتھ اچھا ہے اور مَیں تم میں سب سے بڑھ کر اپنے اہل وعیال سے حُسنِ سلوک کرنے والا ہوں۔

اور ایسا کیوں نہ ہوتا آپؐ نے حقوق اللہ اور حقوق العباد کے مابین ایسا عدل اور توازن قائم کر دیا تھا جو ہر افراط و تفریط سے مبرّا تھا۔ اس میں حقوق کی ادائیگی کا اسوہ بھی ہے اور فرائض کی یاد دہانی بھی۔ بشری کمزوریوں سے درگذر بھی ہے اور تربیت پر گہری نظر بھی۔ رہبانیت کی نفی بھی ہے اور دُنیا طلبی کی ممانعت بھی۔ بیویوں سے بے پناہ محبّت بھی ہے مگر اللہ کی محبّت کو ہر حال میں تقدّم اور فوقیت بھی ہے۔

یہ ایسا اُسوہ ہے جو ہمیشہ ہمیش کے لئے تازہ اور جوان ہے۔ قرآن کریم کی روشنی میں آپؐکی سیرت پر نگاہ کریں تو آپؐ کے قدموں کی چاپ آج بھی سُنائی دیتی ہے۔ مَیں چند لمحوں کیلئے آپ کو اس رُوح پرور ماحول میں لئے چلتا ہوں۔

بیویوں کے درمیان عدل

مخفی مگر دیرپا اثرات کی حامل حکمتوں کے تحت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کاشانۂ اقدس میں بیک وقت مختلف المزاج، حیثیت اور عمر کی بیویاں ہیں۔ ان میں رؤسائے عرب کی چشم و چراغ بھی ہیں اور غریب و نادار لڑکیاں بھی۔ صاحبِ جمال بھی ہیں اور صاحبِ کمال بھی ۔ سن رسیدہ بھی ہیں اور چودہ پندرہ سال کی عمر والی بھی۔ تیز مزاج بھی ہیں اور حلم وصبر والی بھی۔ گویا کاشانۂ نبوّت میں مختلف الخیال عناصر کا اجتماع ہے۔ ان سب کی استعدادوں، ضروریات اور عقل وفہم کے مطابق ان کے حقوق کی ادائیگی اور تربیت ایک پہاڑ معلوم ہوتا ہے جبکہ نبوت کے دیگر لاتعداد فرائض بھی آپ کے منتظر ہوتے ہیں مگر یہ آپؐ ہی کی شان ہے کہ ازواجِ مطہرات کے درمیان حیرت انگیز طور پر انصاف فرماتے ہیں۔

چنانچہ آپؐ کھانے پینے، پہننے، گذارہ اور ملاقات میں ہر ایک بیوی کے ساتھ مساوی سلوک فرماتے ہیں۔ عموماً بعد نماز عصر ہر ایک بیوی کے مکان پر تشریف لے جا کر ان کی ضروریات معلوم فرماتے ہیں اور بعض دفعہ سب بیویوں سے ایک مکان میں مختصر ملاقات فرماتے ہیں اور نوبت بنوبت ہر ایک کے گھر میں استراحت فرمایا کرتے ہیں۔

کسی حال میں بھی ایک بیوی کو دوسری کی حق تلفی کی اجازت نہیں دیتے اور ان بے خطا تدبیروں کے ساتھ پُرسوز دعاؤں کے تیر بھی شامل ہیں۔

ہمیشہ یہ دعا زبانِ مبارک پر جاری رہتی ہے کہ

اے میرے اللہ میری یہ تقسیم اس دائرہ میں ہے جس میں مجھے اختیار ہے یعنی اپنے دائرۂ اختیار میں میں اپنی تمام ازواج سے انصاف کا سلوک کرتا ہوں مجھے ان باتوں میں ملامت نہ کرنا جن میں میرا کوئی بس نہیں چلتا۔

(جامع ترمذی۔ ابواب النکاح
باب فی تسویۃ الضرائر)

جب گھر میں ہوتے ہیں

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول ہے کہ گھر میں داخل ہوتے ہی بلند آواز سے السلام علیکم کہتے ہیں اور رات کے وقت آئیں تو سلام ایسی آہستگی سے فرماتے ہیں کہ بیوی جاگتی ہو تو سُن لے اور سوگئی ہو تو جاگ نہ پڑے۔

گھر میں آپؐ کی مصروفیات کے متعلق حضرت عائشہ رضؓ فرماتی ہیں کہ آپؐ اپنے کپڑے خود سی لیتے ہیں، جُوتا مرمت کر لیتے ہیں۔ بکری کا دُودھ دوہ لیتے ہیں اور اپنے سارے کام خود کر لیتے ہیں مگر جب نماز کا وقت آجائے تو سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر خانۂ خدا کی راہ لیتے ہیں۔

(فتح الباری جلد ۱۰ صہ ۴۶۱)

گھر میں بلند آواز سے کلام نہیں کرتے۔ نہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر بُرا مناتے ہیں بلکہ ایک لازوال بشاشت اور غیر مفتوح مُسکراہٹ ہے۔ کان الین الناس واکرم النّاس وکان ضحاکا بساما۔ سب سے نرم خُو، اخلاقِ کریمانہ کی بارشیں برسانے والے اور ہر تنگی و سختی میں متبسم ریز ہیں۔ (طبقات ابنِ سعد جلد اوّل صہ ۳۶۵)

سفر کے دَوران

آپؐ سفر پر روانہ ہوتے ہیں تو بیویوں کے درمیان قرعہ اندازی کر کے ایک یا ایک سے زیادہ بیویوں کو ساتھ لے جاتے ہیں اور دَورانِ سفر نہایت شفقت اور محبّت کے ساتھ عورت کے باریک جذبات اور نزاکتوں کا بھی خیال رکھتے ہیں۔ ایک سفر کی بات ہے ازواجِ مطہّرات بھی ہمراہ تھیں۔ ساربان انجشہ اونٹوں کو تیز ہانکنے لگے تو فرمایا:

اے انجشہ یہ آبگینے ہیں آہستہ چلو

انہیں چوٹ نہ لگ جائے۔

(مسلم کتاب الفضائل باب رحمۃ النبی للنساء)

ایک دفعہ حضرت صفیہؓ ہمراہ تھیں۔ حضورؐ اپنے اونٹ کے پیچھے اپنی عبا کو پھیلا دیتے تھے۔ جب سواری پر چڑھانا ہوتا تو حضورؐ اپنا گھٹنا قدم رکھنے کے لئے پیش کیا کرتے تھے اور حضرت صفیہؓ اپنا پاؤں اس گھٹنے پر رکھ کر سوار ہو کر بیٹھتی تھیں۔

سفر سے واپسی پر حضرت صفیہؓ اونٹنی پر حضورؐ کے پیچھے بیٹھی تھیں کہ اچانک اونٹنی کا پاؤں پھسلا اور دونوں مقدس سوار گر گئے۔ حضرت ابوطلحہؓ دوڑتے ہوئے حضورؐ کی طرف آئے مگر حضورؐ نے فرمایا پہلے عورت کا خیال کرو۔ چنانچہ انہوں نے پردہ کی خاطر اپنے مُنہ پر نقاب ڈال لیا اور حضرت صفیہؓ کے قریب جا کر وہی نقاب انہیں اُڑھا دیا اور پھر سواری کو درست کیا۔ ازواجِ مطہرات کے احترام اور حُسنِ سلوک کے ضمن میں یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہؓ کے نمونہ کی ایک ادنیٰ مثال ہے۔

(بخاری کتاب الجہاد۔ مایقول اذا رجع من الغزو)

تربیت کے عملی نمونے

آپؐ جب رات کو خدا کی عبادت کے لئے اُٹھتے ہیں تو اپنے اہل و عیال کو بھی جگاتے ہیں خصوصاً رمضان میں۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آپ کمرِ ہمت کس لیتے اور رات کا بیشتر حصّہ بندگی میں صرف فرماتے اور اپنی بیویوں اور بچوں اور عزیزوں کو بھی بار بار جگاتے اور بڑے صبر کے ساتھ نصیحت پر قائم رکھتے۔

(بخاری کتاب الصوم باب العمل فی العشر الاواخر)

جگانے کی خاطر بعض اوقات پاؤں کا انگوٹھا پکڑ کر ہلاتے ہیں یا پانی کا چھینٹا دیتے ہیں حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ حضورؐ میرے حُجرے میں تہجد ادا کرتے۔ جگہ اتنی کم تھی کہ میں حضورؐ کے سامنے لیٹی ہوتی تھی اور جب حضورؐ سجدہ کرنے لگتے تو میں پاؤں سُکیڑ لیتی۔

ایک بار آدھی رات کو حضرت عائشہؓ نے حضورؐ کو بستر پر نہ پایا تو تلاش کرتے کرتے ایک ویران قبرستان میں پہنچ گئیں جہاں حضورؐ شدّتِ الحاح اور گریہ سے تڑپ رہے تھے۔

یہ عبادت اور محبّتِ الٰہی کا وہ عملی نمونہ ہے جو ہزاروں تقریروں پر بھاری ہے جو جسموں پر نہیں رُوحوں میں انقلاب برپا کرتا ہے۔

وعظ و تلقین اور عملی نمونہ کے ساتھ ساتھ ازواجِ مطہّرات کی غلطیوں پر گرفت بھی فرماتے ہیں اور اِس طرح بھی اُن کی تربیت کا سِلسلہ جاری ہے۔

ازواجِ مطہّرات نان و نفقہ میں اضافہ

کا مطالبہ کرتی ہیں تو خدا آپؐ کی زبان سے تمام بیویوں کے لئے اعلان کرواتا ہے کہ تمہارے ایک طرف دُنیا اور اُس کی زیب و زینت اور لذات ہیں اور دوسری طرف اللہ اور اس کے رسولؐ کی خوشنودی اور رضامندی ہے مگر اس کا حصول تنگی و تُرشی اور صبر و استقامت کے مظاہرہ سے ہوتا ہے جس کو چاہو چُن لو۔ (الاحزاب: ۲۹)

مگر آپؐ کی تربیت کا نتیجہ ہے کہ ازواج اپنی بھول کو سمجھ گئی ہیں اور ہر ایک نے مرضیٔ مولا پر لبیک کہا ہے۔

اِصلاح کا نظام

حضورؐ کی پوری کوشش ہے کہ ازواجِ مطہرات آپس میں بہت محبت اور پیار سے زندگی بسر کریں لیکن اگر طبعی جذبات کے ماتحت کوئی بیوی ایسا قدم اُٹھاتی ہے جس سے دوسری بیوی کی حق تلفی ہوتی یا جذبات کو ٹھیس پہنچتی ہے تو حضورؐ سختی سے اُس کا نوٹس لیتے ہیں۔ کسی کو یہ اجازت نہیں کہ اِس پُرسکون ماحول میں پتھر پھینک کر ہلچل مچا دے۔

حضرت صفیہؓ کھانا پکانے کی ماہر ہیں۔ ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ کی باری کے دَوران انہوں نے کھانا بھجوایا۔ حضرت عائشہؓ کو غیرت آئی اور جو لونڈی کھانا لے کر آئی تھی اُس کے ہاتھ پر ہاتھ مار کر کھانا گرا دیا تو وہ برتن ٹوٹ گیا۔ حضرت عائشہؓ سے شدید محبت کے باوجود حضورؐ نے اِس فعل پر اظہارِ ناپسندیدگی فرمایا۔ آپؐ نے خود اپنے ہاتھوں سے اس ٹوٹے ہوئے برتن کو اکٹھا کر کے جوڑا اور پھر حضرت عائشہؓ سے فرمایا کہ اس کے ساتھ کا برتن تمہارے گھر میں ہے تو لاؤ چنانچہ وہ برتن لایا گیا حضور نے ٹوٹا ہوا برتن حضرت عائشہؓ کے سپرد کر دیا اور صحیح سالم برتن حضرت صفیہؓ کو بھجوا دیا۔

(بخاری کتاب النکاح باب الغیرۃ)

دوسرے کے نازک جذبات اور احساسات کا خیال رکھنے کا کتنا حسین انداز ہے جو ٹوٹے دل کے لئے اُسی لمحہ خوشی کی خبر میں بدل گیا ہوگا۔

ایک بار اُمّ المؤمنین حضرت زینب بنت جحشؓ نے اُمّ المؤمنین حضرت صفیہؓ کو یہودن کہہ دیا۔ کچھ شک نہیں کہ اُن کا نسب یہود ابن یعقوب تک منتہی ہوتا ہے مگر کہنے کا انداز اور لب و لہجہ تھا کہ حضورؐ دو تین ماہ تک حضرت زینبؓ کے حجرہ میں نہ گئے۔ وہ کہتی ہیں کہ مَیں غم سے نڈھال ہو کر مایوس ہو چکی تھی اور سمجھتی تھی کہ اب کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ نہ دیکھ سکوں گی۔ حضرت زینب نے توبہ کی تو پھر خطا بخشی ہوئی۔

یہ حضورؐ ہی کا فیض ہے کہ ازواج کو تأثراتِ طبعی اور جنسی سے ارفع و اعلیٰ بنا کر محبّتِ صادقہ ایمانیہ میں متفق و متحد بنا دیا ہے۔

حسین اِمتزاج

آخر میں ایک ایسا واقعہ بیان

کرتا ہوں جو حقوق اللہ اور حقوق العیال کی ادائیگی کا حیرت انگیز امتزاج ہے اور تربیت اور اصلاح کا کوئی رنگ اس سے بہتر نہیں ہو سکتا۔

حضرت ابن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ مَیں نے ایک دفعہ حضرت عائشہؓ سے پوچھا کہ آپ مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی ایسی بات بتائیں جو آپ کو بہت ہی عجیب معلوم ہوتی ہو۔ اس پر حضرت عائشہؓ رو پڑیں اور ایک لمبے عرصہ تک روتی رہیں اور جواب نہ دے سکیں پھر فرمایا کہ آپؐ کی تو ہر بات ہی عجیب تھی کس کا ذکر کروں اور کس کا نہ کروں۔

ایک رات میرے ہاں باری تھی حضورؐ میرے پاس تشریف لائے بستر میں داخل ہوئے اور فرمایا اے عائشہ کیا مجھے اِس بات کی اجازت دیں گی کہ میں اپنے ربّ کی عبادت میں یہ رات گزاروں۔

مَیں نے عرض کی یا رسول اللہ یقیناً مجھے تو آپؐ کا قُرب پسند ہے اور آپؐ کی خوشنودی مقصود ہے مَیں آپؐ کو خوشی سے اجازت دیتی ہوں۔ اس پر حضورؐ اُٹھے اور گھر میں لٹکے ہوئے ایک مشکیزہ کی طرف گئے اور وضو کیا پھر آپؐ نماز پڑھنے لگے اور قرآن کا کچھ حصّہ تلاوت فرمایا۔ آپؐ کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگی ہوئی تھی پھر آپؐ بیٹھ گئے اور خدا کی حمد اور تعریف کی اور پھر رونا شروع کر دیا پھر آپؐ نے اپنے ہاتھ اُٹھائے اور پھر رونے لگے یہاں تک کہ مَیں نے دیکھا کہ آپؐ کے آنسوؤں سے زمین تر ہو گئی اور اسی حال میں وہ رات گزر گئی اور جب صبح کے وقت حضرت بلالؓ نماز کے لئے آپؐ کو بُلانے آئے اُس وقت بھی آپؐ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے اُنہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ رو رہے ہیں کیا آپؐ کے متعلق اللہ نے یہ خوشخبری نہیں دی و قد غفر اللہ لك ما تقدّم من ذنبك وما تأخّر پھر آپؐ کیوں روتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا اے بلال کیا مَیں خدا تعالیٰ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں۔

(تفسیر کشاف زیرِ آیت ان فی خلق السّمٰوٰت والارض.....)

امن کی آخری راہ

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ولمن خاف مقام ربّہٖ جنّتان۔ محبّتِ الٰہی اور خوفِ خدا سے معمور یہ وہ دُنیاوی جنّت تھی جس میں حضورؐ اپنی ازواج اور اپنے صحابہؓ کے ساتھ ہر لمحہ و ہر آن اعلیٰ سے اعلیٰ مقامات طے کر رہے تھے۔

امرِ واقعہ یہ ہے کہ سب سے حسین معاشرے کی جنّت جو نازل ہوئی وہ حضرت اقدس محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں نازل ہوئی۔ آپؐ نے بہترین اُسوہ ہر آنے والی نسل کے لئے پیچھے چھوڑا .... پس آج تمام گھروں کو محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کے گھروں میں تبدیل ہونا ہوگا۔ آج امن کی اور کوئی راہ نہیں ہے سوائے اِس راہ کے۔ آج نجات کا کوئی راستہ نہیں مگر ایک راستہ کہ محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کے اُسوہ کو ہم قبول کرلیں۔ (باقی صفحہ ۲۵ پر)

ایک پکار

کیا اِلتجا کروں کہ مجسّم دعا ہُوں مَیں
سر تا بہ پا سوال ہوں سائل نہیں ہُوں مَیں

ہیں خطائیں سب ترے غفراں نے ڈھانپ لیں
اب بھی نگاہِ لُطف کے قابل نہیں ہُوں مَیں

وحشت مری نہیں ابھی ہم پایۂ جُنوں
اہلِ خرد پہ بار ہُوں عاقل نہیں ہُوں مَیں

میرا کوئی نہیں ہے ٹھکانا ترے سوا
تیرے سوا کسی کے بھی قابل نہیں ہوں مَیں

مِٹتی ہوئی خودی نے پکارا کہ اے خدا
آجا کہ تیری راہ میں حائل نہیں ہُوں مَیں

یہ راگ دِل کا راز ہے سُن دردِ آشنا!
کچھ ہمنوائے شورِ عنادل نہیں ہُوں مَیں

(دُرِّ عدن)
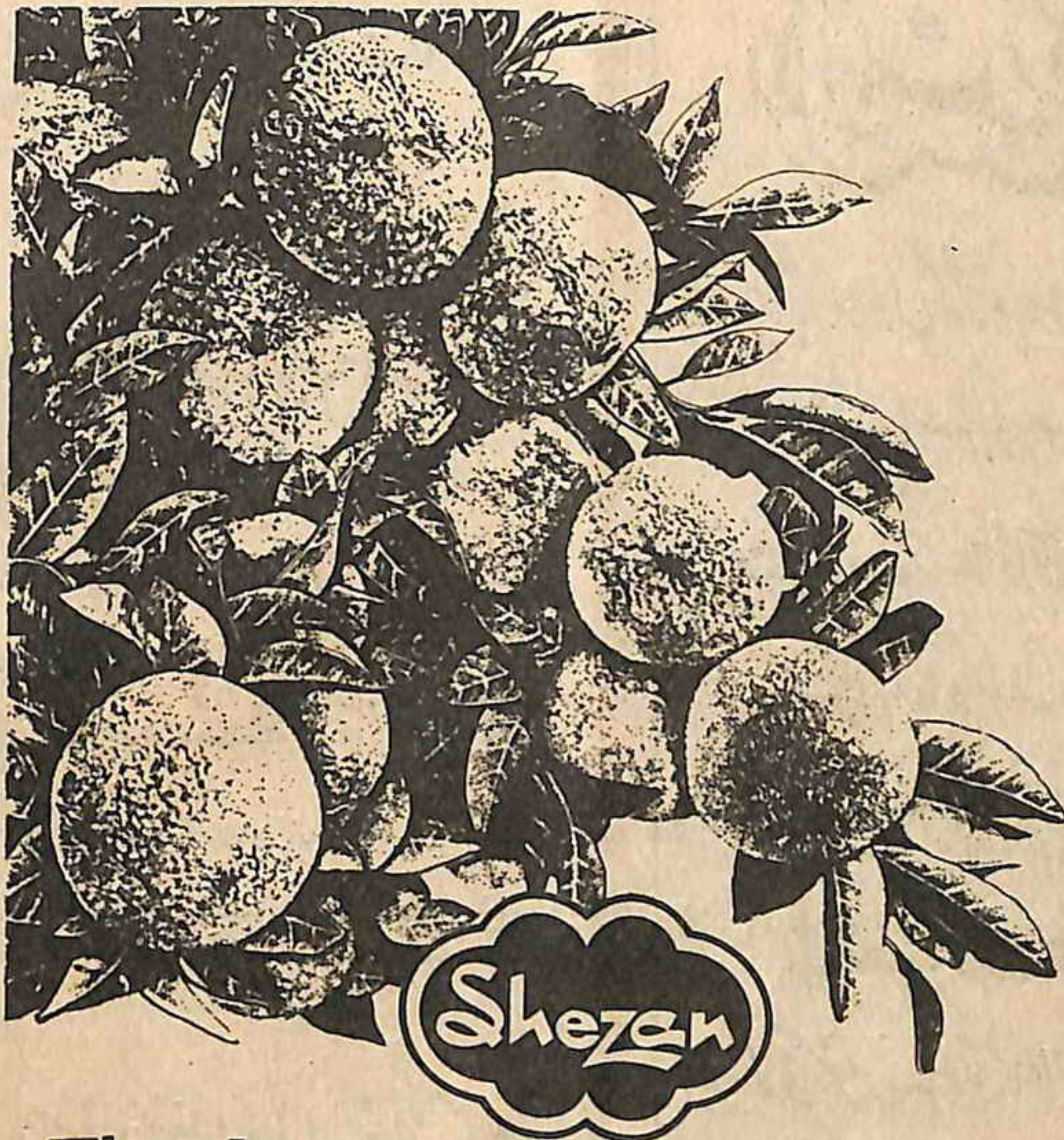
عجیب و غریب دُنیا

عربی سے ترجمہ

اِعجازِ قرآن کا مظہر

ایک علمی و طبّی حیران کُن انکشاف

خُدا تعالیٰ کا ذاتی نام "اللہ" ہر انسانی دل پر دُو مرتبہ منقوش ہے

ڈاکٹر نور خلوق باقی نے ایک ترکی رسالہ "الشرق" کے ۴ر اکتوبر ۱۹۸۳ء کے "ایشو" میں ایک انکشاف کرتے ہوئے اپنی یہ تحقیق شائع کروائی تھی کہ باری تعالیٰ کا ذاتی اِسم "اللہ" ہر انسان کے دل کی بائیں جانب اُوپر والے حصّہ میں نقش ہے۔

ڈاکٹر خلوق ایک مسلمان ترکی طبیب ہیں جو دل کے سپیشلسٹ ہیں گو اِس موضوع پر انہوں نے کئی جہت سے ریسرچ کی ہے لیکن مَیں لمبے چوڑے تجربوں کے بعد اِس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ خدا تعالیٰ کا ذاتی نام "اللہ" ایک دفعہ نہیں بلکہ دُو دفعہ ہر انسان کے دل پر نقش ہے اور مَیں نے عربی زبان کے لفظ "قلب" اور اللہ تعالیٰ کے ذاتی نام "اللہ" میں عجیب و غریب مجانست پائی ہے کیونکہ ابجدی حساب سے مَیں نے دیکھا ہے کہ لفظ قلب لفظ اللہ کے مقابل دوچند عددی قوّت کا حامل ہے۔ اِس بات سے صاف ظاہر ہے کہ عربی زبان جس میں قرآنِ پاک کا نزول ہوُا ہے خدائی زبان ہے جو عددی میزان کے ایک محکم نظام سے مربُوط ہے جیسا کہ ابھی ہم ملاحظہ کریں گے۔

ابجدی حساب اور لفظِ قلب

ابتدائے اِسلام میں عرب اپنے حسابات کی تحریر میں عام ہندسوں کے استعمال کی بجائے ابجدی حروف کا استعمال بکثرت کرتے تھے۔ مثلاً ایک (۱) کے ہندسہ کے اظہار کے لئے حروفِ ابجد کا پہلا حرف الف استعمال کرتے تھے اور عدد دو[۲] و تین[۳] کے اظہار کے لئے حرف "ب" "ج" کا استعمال کرتے تھے۔ اِسی طرح وہ دوسرے ہندسوں کے اظہار کے لئے بھی دیگر حروف استعمال کرتے تھے جب وہ کسی عدد کو لکھنا چاہتے تو اس کے لئے وہ حروفِ ابجد کا اِستعمال کرتے تھے کیونکہ ہندسے اپنی موجودہ شکل میں ابھی تک ان کے لئے غیر معروف تھے۔

اِس بات کو سمجھ لینے کے بعد اب لفظ قلب

کو لیجئے جس کے ۱۳۲ عدد بنتے ہیں یعنی ق کے ۱۰۰ لام کے ۳۰ اور حرف ب کے ۲۔ یہ ہوئے کُل ۱۳۲ عدد۔

اب خدا تعالیٰ کے ذاتی اِسم "اللہ" کو لیجئے اس کے ابجدی لحاظ سے کُل ۶۶ نمبر بنتے ہیں۔ اسی طرح لفظ محمد کے عددی ارقام کی کُل قیمت ۹۲ بنتی ہے اور یہیں سے لفظ محمد اور لفظ الامین اور لفظ قلب میں ایک خاص ارتباط نظر آتا ہے۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "امانت مردوں کے دلوں کے لئے جڑ کی حیثیت رکھتی ہے (الامانۃ جز رقلوب الرجال) گویا اِس طرح امانت دار دلوں کا ایک خاص تعلق ہے اور ابجدی حروف میں سے جن ہندسوں کا ذکر گذرا ہے وہ اتنے واضح ہیں کہ اس سلسلہ میں کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔

اللہ تعالیٰ اور اِنسانی دِل

دل پر گہری ریسیرچ کرنے کے نتیجہ میں مختلف عِلمی حقائق پر بنیاد رکھتے ہوئے مَیں نے اِس بات کو دیکھا ہے کہ خدائے پاک کا ذاتی نام اللہ ڈاکٹر خلوق کے نظریہ کے برخلاف ایک دفعہ نہیں دو دفعہ نقش ہے۔

ہمیں اللہ کا لفظ دل کے سارے ٹکڑے پر جو دائیں جانب واقع ہے اور بائیں حصّہ کے مقابل واقع ہے اللہ تعالیٰ کا نام منقوش نظر آتا ہے اور دوسری دفعہ یہی لفظ دِل کے اوپر والے دروازے کے قریب صاف لکھا ہُوا نظر آتا ہے اور عددی زبان میں لفظ قلب کی قیمت جو ۱۳۲ ہے لفظ اللہ کی عددی قیمت ۶۶ سے دوچند ہے اور یہ امر ہر سمجھدار انسان کے لئے زبانِ عربی، اعداد اور قلبِ انسانی کے درمیان پائی جانے والی عجیب وغریب موافقت پر دلالت کرتا ہے کیا یہ امر تخلیقِ انسانی کے معاملہ میں ایک معجزہ پر دلالت نہیں کرتا۔ کیوں نہیں۔ یقیناً یقیناً بات ایسے ہی ہے۔

قرآن کریم اور انسانی دِل

لفظ قلب کی مختلف صورتیں جیسے قلب، قلبہ۔ قلبھا، قلوبھم وغیرہ قرآن کریم میں ۱۳۲ دفعہ وارد ہوئی ہیں۔ اِس طرح وہ حیرت انگیز تطابق صاف صاف نظر آتا ہے جو کلمات کی مختلف تراکیب کے توارد اور ابجدی حساب سے لفظ قلب کے اندر موجود ہیں ارقام کی یہ معجزانہ صورت اور قلبِ انسانی نیز قرآن مجید میں تجانس کوئی سطحی امر نہیں بلکہ قرآن کریم کی آیات تو عددی میزان کی ایک دقیق در دقیق صورت کی حامل ہیں اور اس امر کو مَیں نے اپنی کتاب "عدد ۱۹ کے عجائبات اور نئی ریاضیات" میں تفصیل سے بیان کیا ہے جہاں عقلِ انسانی کے لئے اعداد کے حیران کُن ارتباط کا غیر امتیازی رنگ میں اظہار ہوتا ہے اور پتہ چلتا ہے کہ اعدادِ قرآنی کا انسان سے غیر مالوف تعلق ہے اور

یہ نظریات جدید ریاضیات کے حقائق سے پوری طرح ہم آہنگ ہیں۔

خلاصۃ الکلام

کلمہ "قلب" اور کلمہ "اللہ" کے باہمی تجانس کے انکشاف کے بعد اور قرآن کریم کے اس کے ساتھ توافق کے بعد یہ حقیقت ایک علمی اور طبی معجزہ کی نشاندہی کرتی ہے اور قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیت کی حقیقت پر روشنی ڈالتی ہے۔ فرمایا:

"نحن اقرب الیہ من حبل الورید"

پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو ایک اُمّی وجود تھے اور صحابہؓ جن کی طبی امور تک رسائی نہ تھی وہ اِس امر سے واقف نہ تھے کہ اللہ تعالیٰ کا اسمِ مبارک قلبِ انسانی پر مرقوم ہے اور نہ ہی اسلام سے قبل طبی دنیا میں اِس قسم کے کوئی نظریات تھے پس قرآن کی اِس اعجازی شان کا مقابلہ کوئی دوسرا معجزہ کیونکر کرسکتا ہے۔ یہ اعجاز ایک چمکدار روشنی پر مشتمل ہے اور اس حکمتِ بالغہ اور قدرتِ تامہ کی نشان دہی کرتا ہے جو الٰہی ذات سے متعلق ہے۔

نیز اس طرح سے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اُس قول کی تصدیق بھی ہو جاتی ہے جس کا ذکر "مَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی" میں کیا گیا ہے پس قرآن کریم وہ کتاب ہے جس کے عجائبات امتدادِ زمانہ کے باوجود کبھی انتہاء کو نہیں پہنچ سکتے۔

اور مَیں اِس وجہ سے اِس آیتِ کریمہ کو بار بار دُہراتا ہوں۔

سنریھم اٰیاتنا فی الاٰفاق وفی انفسھم حتّٰی یتبیّن لھم انّہ الحق اولم یکف بربّک انّہٗ علٰی کلّ شیٍٔ شھید۔

صدق اللہ العظیم

(ترجمہ از "جریدۃ الانباء" ۲۵ ۳/۸۴ صفحہ)

بقیہ رسولِ عربی از صفحہ ۲۰

پس اے دُنیا کو امن اور آشتی کی خوشخبری دینے والو! ضرور آگے بڑھو اور دُنیا کو اس کی طرف بلاؤ لیکن یاد رکھنا کہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی عطا کردہ جنّتیں ساتھ لے کر چلنا۔ یہی جنّتیں ہیں جو آج دُنیا کو امن دیں گی۔ اس جنّت کے بغیر گھر گھر میں جہنّم بھڑکائی جا رہی ہے ...... اور وہ ایک ہی ہے اور صرف ایک ہے یعنی ہمارا آقا حضرت محمد مصطفیٰ صلے اللہ علیہ وسلم جو آج معاشرہ کی جہنّم کو جنّت میں تبدیل کرنے کی طاقت رکھتا ہے۔

اس کا مطلب ہے ماں باپ کی خدمت کرنا۔ ان کی اطاعت کرنا۔ ان کا ادب کرنا۔ اُن کے حقوق کا خیال رکھنا۔ اُن کو سُکھ اور راحت پہنچانا۔ اُن کے دُکھوں کو دُور کرنا۔ خداتعالیٰ نے جہاں بنی نوع انسان کو حقوق اللہ کی ادائیگی کا پابند کیا ہے۔ وہاں حقوق العباد کی ادائیگی کے لئے زیادہ تاکید سے حکم دیا ہے۔ پھر خاص طور پر حقوق العباد میں سے سب سے پہلا حق والدین کو دیا ہے۔ عقل سلیم اور تجاربِ دنیا بھی اس امر پر شاہد ناطق ہیں کہ والدین اتنی پیاری اور قیمتی نعمت ہیں کہ خدا کی طرف سے جو مقام انہیں عطا ہُوا ہے وہ اس کے مستحق اور اہل ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید اور آقائے دوجہان سرورِ کونین محمد صلی اللہ علیہ وسلّم نے انتہائی تاکید اور تواتر سے خدمتِ والدین پر زور دیا ہے۔ کیونکہ جو نعمت زیادہ قیمتی ہوتی ہے۔ وہ اس بات کی متقاضی ہوتی ہے کہ اس کی حفاظت بھی اسی شدّت سے کی جائے۔

اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ آج کا معاشرہ جن برائیوں کی آماجگاہ بن چکا ہے۔ اس کی بنیادی وجہ خدمتِ والدین سے انحراف اور اطاعتِ والدین سے پہلو تہی ہے کیونکہ دُنیا میں کوئی بھی والدین یہ نہیں چاہتے کہ ان کی اولاد برائیوں کو اختیار کرے۔ اس لحاظ سے اگر ہم معاشرہ سے برائیوں کا خاتمہ کرنا چاہتے ہیں تو والدین کی اطاعت اور خدمت کے جذبہ کو اپنانا پڑے گا۔

پس ہمارا فرض ہے کہ ہم والدین کے حقوق پہچانیں۔ ان کے ادب اور احترام کے مقام کو سمجھیں۔ اُن کے مفید مشوروں اور دُعاؤں کے وارث بن کر کامیاب زندگی گزاریں۔

آئیے ہم دیکھیں کہ قرآن مجید اس بارہ میں کیا ہدایات دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

وَقَضٰی رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِیَّاهُ وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا اِمَّا یَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِیْمًا۔ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّیٰنِیْ صَغِیْرًا۔

(بنی اسرائیل رکوع ۳)

اور تیرے رب نے (اس بات کا) تاکیدی حکم دیا ہے۔ کہ تم اس کے سوا کسی کی عبادت نہ

کرو۔ (نیز یہ کہ اپنے) ماں باپ سے اچھا سلوک کرو۔ اگر ان میں سے کسی ایک پر یا دونوں پر تیری زندگی میں بڑھاپا آجائے تو انہیں (ان کی کسی بات پر ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے) اُف تک نہ کہہ اور نہ انہیں جھڑک اور ان سے ہمیشہ نرمی سے بات کر۔ اور رحم کے جذبہ کے ماتحت ان کے سامنے عاجزانہ رویہ اختیار کر۔ ان کے لئے دُعا کرتے وقت کہا کر کہ اے میرے رب ان پر مہربانی فرما۔ کیونکہ انہوں نے بچپن کی حالت میں میری پرورش کی تھی۔

یہ آیتِ کریمہ بڑے دلنشین انداز کے ساتھ حقوق والدین کی وضاحت کر رہی ہے۔ اور ہماری توجہ اس طرف مبذول کرا رہی ہے کہ اگر والدین بڑھاپے کی وجہ سے ہمارے جذبات کے خلاف بھی فیصلہ فرما دیں۔ تو ہمیں حق نہیں پہنچتا کہ اُن کے سامنے اونچی آواز سے بولیں بجائے یہ کہ اُن کے ادب اور احترام سے پہلوتہی برتیں ــــ بلکہ ہمیں چاہئیے کہ عاجزی اور انکساری کے ساتھ والدین کے سامنے اپنا مؤقف پیش کریں۔ اگر وہ ہماری بات نہ بھی مانیں۔ تب بھی خدمت اور اطاعت میں کوئی کسر باقی نہ چھوڑیں۔

یہی مضمون اللہ تعالیٰ ایک اور جگہ یوں بیان فرماتا ہے کہ :۔

وَ وَصَّیْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَیْہِ حُسْنًا۔ (العنکبوت : ۹)

ہم ہر انسان کو نصیحت کرتے ہیں کہ والدین کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آیا کرے۔

یہ آیت اس طرف اشارہ کر رہی ہے کہ کوئی بھی معاملہ ہو۔ کیسی ہی نوعیت کا ہو۔ تنگی ہو یا خوشحالی ہو۔ ہر انسان کا یہ فرض ہے کہ وہ والدین کی عزت اور احترام کرے۔ ان سے اچھا اور عمدہ برتاؤ کرے۔

پھر قرآن مجید نے بعض انبیاء علیہم السّلام کے نمونوں کو پیش کر کے نوجوان نسل کو توجہ دلائی کہ انبیاء کرام جیسے مقدس وجود بھی والدین کی خدمت اور احترام میں فخر محسوس کرتے ہیں۔ اور نمونہ قائم کرتے ہیں۔ جس سے ظاہر ہے کہ والدین کا مقام کتنا بلند اور اعلیٰ ہے۔

مثلاً حضرت یحییٰ علیہ السّلام کے متعلق آتا ہے :۔

بَرًّا بِوَالِدَیْہِ وَلَمْ یَکُنْ جَبَّارًا عَصِیًّا (سورہ مریم : ۱۶)

یعنی وہ اپنے والدین کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے والے تھے۔ ظالم اور نافرمان نہیں تھے۔

اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السّلام اور اُن کی قوم سے بھی خدا نے وعدہ لیا تھا کہ وہ اپنے والدین کا ادب اور احترام کیا کریں۔ جیسا کہ فرماتا ہے :۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰہَ وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا۔ (بقرۃ : ۸۳)

کہ خدا تعالیٰ کی عبادت کے بعد والدین سے عمدہ سلوک کیا کرو۔

اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السّلام اس بارہ میں اپنا نمونہ یوں ہمارے سامنے رکھتے ہیں۔ فرماتے ہیں :۔

بَرًّا بِوَالِدَتِيْ وَلَمْ يَجْعَلْنِيْ جَبَّارًا شَقِيًّا ۔ (سورۃ مریم)

کہ وہ اپنی والدہ کے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا کرتے تھے۔ اور (کہا کرتے تھے) کہ خدا نے مجھے ظالم اور بدبخت نہیں بنایا۔

غرض ان آیات کا مشترک نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ہر انسان کو انبیاء علیہم السلام کی طرح اپنے والدین کی عزت اور احترام کرنا چاہئیے۔ ان سے گستاخی سے پیش آنا یا ان کی نافرمانی کرنا، خداتعالیٰ کی نگاہ میں ظالم اور بدبخت بنا دیا کرتا ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ابوالانبیاء حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیل علیہم السلام کی قربانی (جو بہت اعلیٰ درجہ کی تھی اور خدا کی نگاہ میں پسندیدہ تھی۔) کے واقعہ کو اُمّتِ مُسلمہ کے لئے قیامت تک یادگار بنا دیا ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے :۔

"حضرت ابراہیمؑ نے اپنے بیٹے سے کہا اے میرے بیٹے میں نے تجھے خواب میں دیکھا ہے کہ (گویا) تجھے ذبح کر رہا ہوں۔ پس تو فیصلہ کر کہ اس بارہ میں تیری کیا رائے ہے۔ (اس وقت بیٹے نے کہا۔ اے میرے باپ جو کچھ تجھے خدا کہتا ہے۔ وہی کر۔ تُو انشاءاللہ تعالیٰ مجھے اپنے ایمان پر قائم رہنے والا دیکھے گا۔ پھر جب وہ دونوں فرمانبرداری پر آمادہ ہو گئے۔ اس (یعنی باپ) نے (رضامندی ظاہر کرنے والے) بیٹے کو ماتھے کے بل گرا لیا۔ تو ہم نے اس (یعنی ابراہیمؑ) کو پکار کر کہا۔ اے ابراہیم! تُو نے اپنی رؤیا پوری کر دی۔ ہم اسی طرح محسنوں کو بدلہ دیا کرتے ہیں۔ یہ یقیناً ایک کُھلی کُھلی آزمائش تھی۔ اور ہم نے اسمٰعیلؑ کا فدیہ ایک بڑی قربانی کے ذریعہ دیا۔ اور بعد میں آنے والی قوموں میں اس کا نیک ذکر باقی رکھا۔

(سورۃ الصّٰفّٰت آیت ۱۰۳ تا ۱۰۹)

یہ زبردست واقعہ اپنے اندر دو عظیم الشان نمونے رکھتا ہے

(۱) والدین کے لئے: کہ انہیں اولاد کی پیار اور محبت سے ایسی اعلیٰ تربیت کرنی چاہئیے کہ وہ ہر حکم ملنے پر لبّیک کہنے میں فخر محسوس کریں۔

(۲) اولاد کے لئے: کہ اگر نوجوان کو اپنی کسی خواہش یا جذبہ حتیٰ کہ حُکمِ الٰہی کے تابع رہتے ہوئے والدین کے لئے جان بھی قربان کرنا پڑے تو حضرت اسمٰعیلؑ کی طرح اس میدان میں کود پڑے اور دل میں ذرا میل نہ آنے دے۔

اللہ تعالیٰ کے فرمان کے بعد اب ہم دیکھتے ہیں کہ والدین کے مقام اور حقوق کے بارہ میں حضرت اقدس محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا احکامات دیئے ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :۔

"ناک آلودہ ہو۔ خاک آلودہ ہو خاک آلودہ ہو۔ اس شخص کی ناک جس نے اپنے ماں باپ کو ضعیفی اور بڑھاپے کی حالت میں پایا اور

پھر ان کی خدمت کر کے) جنّت حاصل نہ کی"۔ (مسلم)

اسی طرح حضرت عبداللہ بن مسعودؓ روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلّم سے پوچھا:۔

"اللہ تعالیٰ کو کونسا عمل سب سے زیادہ پسند ہے؟ فرمایا نماز وقت پر پڑھنا۔ پھر مَیں نے عرض کیا۔ اس کے بعد۔ فرمایا ماں باپ سے نیکی کرنا۔ مَیں نے کہا پھر کونسا؟۔ فرمایا جہاد فی سبیل اللہ"۔

(بخاری)

اسی طرح ایک شخص نے تین دفعہ رسول پاکؐ سے پوچھا:۔

"کہ میرے اچھے سلوک کا مستحق سب سے زیادہ کون ہے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا تمہاری ماں۔ اس کے بعد پوچھا تو فرمایا تمہارا باپ"۔ (بخاری ومسلم)

ان احادیث کا لُبِّ لباب یہ ہے کہ والدین کی خدمت اور احترام کرنا خدا تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلّم کے نزدیک مقبول اور پسندیدہ عمل ہے۔ اور جنّت کا ذریعہ ہے۔

پھر احادیث میں والدین کی دُعاؤں کو قبولیت کا شرف بلند علیٰ بتا کر اس طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ کہ اگر نوجوان فلاح اور کامیابی چاہتے ہیں تو والدین کی خدمت اور اطاعت کے ذریعہ اُن کی دُعائیں حاصل کیا کریں۔

پھر ہمارے مذہب نے صرف مومن والدین کی اطاعت بعزت اور خدمت پر زور نہیں دیا۔ بلکہ والدین اگر مشرک یا بے دین ہوں۔ تو دینی امور کے علاوہ ان سے اچھا سلوک کرنا ضروری قرار دیا ہے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کے نزدیک والدین ایک پیاری نعمت اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلّم کے نزدیک۔

"والدین بہشت کا دروازہ ہیں"۔ (ترمذی)

اگر اولاد اس حقیقت کو سمجھے تو والدین کی خدمت۔ اور اطاعت کر کے اس دروازہ کو اپنے لئے محفوظ کر لے۔ ورنہ نافرمانی کے نتیجہ میں خود بخود اس حق سے محروم ہو جائے گی۔

پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے والدین کی اطاعت پر اس حد تک زور دیا ہے کہ اگر وہ کہہ دیں کہ اپنی بیوی کو (جس سے انسان بہت زیادہ محبت کرتا ہے۔) طلاق دے دو۔ تو تمہارا فرض یہ ہے کہ تم طلاق دے دو۔ جیسا کہ ابن عمرؓ کی روایت ہے:۔

"میرے نکاح میں ایک عورت تھی۔ مجھے اس سے بہت پیار تھا۔ میرے والد عمرؓ اسے بہت بُرا سمجھتے تھے۔ عمرؓ نے کہا اسے طلاق دے دو۔ مَیں نے انکار کیا۔ عمرؓ نے نبی کریمؐ سے ذکر کر دیا۔ نبی کریمؐ نے مجھے فرمایا۔ طلاق دے دو"۔ (ابوداؤد)

حقیقت میں والدین بچپن سے لے کر جوانی تک اولاد کے لئے وہ تکالیف برداشت کرتے ہیں کہ اگر انہیں شمار کرنے لگیں تو یہ کسی کے بس کا روگ نہیں۔ پھر دوسری بات یہ ہے کہ والدین دُنیا کے نشیب و فراز اور تجربات کی بناء پر اولاد کو کوئی بات سمجھاتے ہیں تو اس میں اولاد کا ہی فائدہ مدِّنظر ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے بڑی ہی بدقسمت ہے وہ اولاد جو والدین کے فیصلے پر اپنی مرضی مسلّط کرنے کی

کوشش کرتی ہے۔ جس کے نتیجہ میں اکثر اوقات نقصان اٹھاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول نے اطاعت والدین اور خدمتِ والدین پر بہت زور دیا ہے۔ انسانی تاریخ بھی ایسے واقعات سے بھری پڑی ہے۔ جن سے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ جنہوں نے دل و جان سے والدین کی عزت اور احترام کو قائم کیا۔ کامیابی نے ان کے قدم چومے۔ مگر وہ اولاد جس نے نافرمانی کی۔ اور والدین کے مقام کو نہ سمجھا۔ ہمیشہ نقصان اٹھایا۔ پہلے حصّہ کی مثال احادیث میں یُوں بیان کی گئی ہے کہ۔

بنی اسرائیل کے تین شخص ایک سفر پر جا رہے تھے۔ اچانک آندھی اور طوفان نے انہیں آگھیرا۔ جس کے نتیجہ میں انہیں غار میں پناہ لینا پڑی۔ مگر بدقسمتی سے غار کے مُنہ پر ایک بڑا سا پتھر لڑھک آیا۔ جو پُوری کوشش کے باوجود ہٹ نہ سکا۔

ان میں سے ہر ایک آدمی نے اپنی نیکیوں کا واسطہ دے کر خدا سے التجا کی۔ کہ خدایا اس پتھر کو غار سے ہٹا دے تو خدا تعالیٰ نے پتھر کو ہٹا کر اس مصیبت سے انہیں نجات دلا دی۔

ان بیان کردہ نیکیوں میں سے والدین سے نیکی سرفہرست تھی ۔۔۔ اسی طرح قرآن مجید دوسرے حصّہ کی مثال یُوں دیتا ہے۔ (خلاصہ اپنے الفاظ میں) کہ

جب حضرت نوح علیہ السلام نے طوفان سے بچنے کے لئے بحکم خدا ایک کشتی تیار کی۔ جس میں ہر چیز کے جوڑے سوار کرلئے۔ اور طوفان آنے پر اپنے بیٹے کو بھی سوار کرنا چاہا۔ تو بیٹے نے نافرمانی کی۔ جس کے نتیجہ میں خدا نے اسے غرق کر دیا۔

یہ واقعات اس اَمر کا ثبوت ہیں کہ والدین کی خدمت اور اطاعت میں کامیابی اور خدا تعالیٰ کی رضا ملتی ہے جس کے نتیجہ میں انسان جنّت کا مستحق ٹھہرتا ہے۔ ورنہ اُن کی خدمت سے لاپرواہی اور نافرمانی سے ناکامی اور خدا تعالیٰ کی ناراضگی جوش میں آتی ہے۔ جس سے انسان کا بچنا محال ہو جاتا ہے۔

غرض ہمارے نوجوانوں کو چاہیئے کہ والدین کی اطاعت اور خدمت گذاری کیا کریں۔ ان سے نہایت ہی لاطفت اور حُسنِ سلوک سے برتاؤ رکھیں۔ کیونکہ جو قوم اپنے والدین کی خدمت گذاری اور حُسنِ سلوک کے فرض سے سبکدوش نہیں ہو سکتی۔ وہ قوم کے دوسرے افراد کی خدمت کا فرض بھی ادا نہیں کر سکتی۔ یہی وجہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"جنّت ماؤں کے قدموں کے نیچے ہے" (ترمذی)

ایک اور روایت میں ارشاد ہے۔ رضائے الٰہی والد کی رضامندی سے وابستہ ہے۔ (ترمذی)۔

پھر احادیث میں والدین کی نافرمانی کو قیامت کی نشانیوں میں سے شمار کیا گیا ہے مطلب یہ ہے کہ جب کسی قوم میں ایسے افراد پیدا ہو جائیں جو والدین سے خودسر، عاق اور نافرمان ہوں تو اس وقت قوم پر ذلّت وادبار اور تباہی کے ساتھ عذابِ الٰہی کی گھڑی آپہنچتی ہے۔ (جیسا کہ موجودہ حالات اور اخبار ایسے واقعات کی گواہی دے رہے ہیں) یہاں تک کہ ایسی قوموں کا نام زندہ اور منعم قوموں کے زمرہ سے کٹ کر مردہ اور مغضوب قوموں میں شمار ہوتا ہے۔

خدا کرے کہ ہم سب اپنے والدین کی خدمت اور اطاعت کے اس مقام کو سمجھیں تاکہ نہ صرف ہم انفرادی کامیابی کو حاصل کریں بلکہ مجموعی طور پر ترقی اور غلبہ ہمارے قدم چومے۔ آمین

اقوامِ متحدہ

ایک تعارف — ایک جائزہ

مرتبہ: محمد آصف طاہر۔ ربوہ

اقوامِ متحدہ ایک عالمی ادارہ ہے جو اقوامِ متحدہ کو جنگ کی لعنت سے بچانے، انسانی حقوق و اعتماد کی توثیق کرنے، انصاف قائم کرنے اور عالمی قانون کے لئے احترام کی فضا پیدا کرنے کے واسطے قائم کیا گیا ہے۔

- اس کا نام "اقوامِ متحدہ" امریکی صدر "فرینکلن ڈی روز ویلٹ" نے تجویز کیا تھا۔
- اس نام کو اقوامِ متحدہ کے منشور میں ۱۹۴۲ء میں پہلی مرتبہ استعمال کیا گیا۔
- اس کا منشور پچاس ملکوں کی کانفرنس میں ۱۹۴۵ء میں سان فرانسسکو میں تیار کیا گیا جو ۲۵۔ اپریل سے ۲۶۔ جون تک جاری رہی۔
- پولینڈ اس کانفرنس میں شامل نہیں تھا، اس نے بعد میں اس پر دستخط کئے۔
- ۲۴۔ اکتوبر ۱۹۴۵ء کو باضابطہ طور پر اقوامِ متحدہ کا قیام عمل میں آیا اور اسی روز اب ساری دنیا میں "یومِ اقوامِ متحدہ" منایا جاتا ہے۔
- اقوامِ متحدہ کی سرکاری زبانیں انگریزی، چینی، روسی، فرانسیسی، عربی اور ہسپانوی ہیں۔

اغراض و مقاصد

- بین الاقوامی امن و سلامتی کو قائم رکھنا۔
- قوموں اور ملکوں کے درمیان دوستانہ رشتوں کو فروغ دینا۔
- بین الاقوامی اقتصادی اور سماجی سربلندیوں کے لئے تعاون کرنا۔

دیگر اہم فرائض میں یہ امور شامل ہیں:۔

* قیامِ امن * تخفیفِ اسلحہ * ممبر ممالک کی خصوصی امداد سے متعلق سرگرمیاں * انسانی حقوق سے متعلق سرگرمیاں * مردوں اور خواتین کے درمیان مساوات کو فروغ دینا۔

رُکنیت

اقوامِ متحدہ کی رکنیت کے دروازے ان تمام ملکوں کے لئے کھلے ہیں جو اقوامِ متحدہ کے تحت عائد کردہ ذمہ داریاں قبول کرتے ہیں اور عالمی ادارے

کے خیال میں ذمہ داریوں کو پورا کرنے کے اہل اور خواہش مند ہوں۔ اِس وقت اس کے ممبر ممالک کی تعداد ۱۴۹ ہے جو کہ دُنیا کے تقریباً سبھی بڑے اعظموں سے تعلق رکھتے ہیں۔

اقوامِ متحدہ کے اہم ادارے

جنرل اسمبلی: یہ تمام ممبر ملکوں پر مشتمل ادارہ ہے۔

سلامتی کونسل: یہ پندرہ ارکان پر مشتمل ہے۔ پانچ مستقل اور دس کا تقرر دو سال کے لئے جنرل اسمبلی کی طرف سے کیا جاتا ہے۔

اقتصادی وسماجی کونسل: یہ کونسل چوّن ۵۴ ارکان پر مشتمل ہے۔ اٹھارہ ممبروں کی تقرری ہر سال جنرل اسمبلی کی طرف سے تین تین سال کی میعاد کے لئے کی جاتی ہے۔

تولیتی کونسل: چین، فرانس، برطانیہ اور روس اس کے مستقل ممبر ہیں۔

آسٹریلیا اور امریکہ دونوں نظم ونسق چلانے والے ممالک ہیں۔

بین الاقوامی عدالتِ انصاف: یہ اقوامِ متحدہ کا سب سے بڑا عدالتی ادارہ ہے جس کا صدر دفتر ہیگ (ہالینڈ) میں ہے۔ عدالت پندرہ ججوں پر مشتمل ہوتی ہے اور ۹ سال کے لئے منتخب ہوتی ہے۔

سیکرٹیریٹ: اِس کا سربراہ سیکرٹری جنرل کہلاتا ہے۔ پہلے سیکرٹری جنرل ٹوگوکے لی ۱۹۵۳ء تک رہے۔ اس کے عملے کے افراد سنّو سے زیادہ افراد پر مشتمل ہوتے ہیں۔

ذیلی ادارے

۱۔ اٹیمی توانائی کا بین الاقوامی ادارہ۔
۲۔ عالمی ادارۂ محنت۔
۳۔ اقوامِ متحدہ کا ادارۂ خوراک وزراعت۔
۴۔ اقوامِ متحدہ کی تعلیمی، ثقافتی اور سائنسی تنظیم۔
۵۔ عالمی ادارۂ صحت۔
۶۔ عالمی بینک۔
۷۔ بین الاقوامی ترقیاتی ادارہ۔
۸۔ بین الاقوامی مالیاتی کارپوریشن۔
۹۔ بین الاقوامی مالی فنڈ۔
۱۰۔ شہری ہوا بازی کی بین الاقوامی تنظیم۔
۱۱۔ عالمی پوسٹل یونین۔
۱۲۔ بین الاقوامی ٹیلی مواصلات یونین۔
۱۳۔ موسمیات کے متعلق عالمی تنظیم۔
۱۴۔ بین الحکومتی بحری مشاورتی تنظیم۔
۱۵۔ محصولات وتجارت سے متعلق عام سمجھوتہ۔
۱۶۔ ذہنی املاک کا عام ادارہ۔

کوئی راہ نزدیک تر راہِ محبت سے نہیں
طے کریں اس راہ سے سالک ہزاروں دشتِ خار

اُردو ادب کے شہ پارے

شوکت تھانوی کی ایک قہقہہ بار تحریر

الٰہ آباد کے امرود

کسی دوست کا اپنے کسی جگری دوست کیلئے باہر سے کوئی تحفہ لانا غیر معمولی بات نہیں ہے بلکہ دوستی اسی کا نام ہے کہ اس قسم کے دوستانہ مراسم ادا ہوتے رہیں لیکن خدا گواہ ہے کہ جس وقت نمائش میں مبین ہم سے ملے اور انہوں نے یہ مژدہ سُنایا کہ وہ الٰہ آباد گئے تھے اور ہمارے لئے امرود لائے ہیں تو ہم پر تھوڑی دیر کے لئے کچھ ایسی کیفیت گذر گئی کہ گویا ہم کو ہندوستان ایسے کسی ملک کی سلطنت مل گئی ہے۔ تھوڑی دیر تک تو ہم ایک عالمِ حیرت میں خاموش کھڑے رہے اس کے بعد ہم نے دل ہی دل میں مبیّن کی شرافت کا اعتراف کرتے ہوئے اپنے اس دیرینہ خیال پر اظہارِ افسوس کیا کہ مبیّن انتہائی خود غرض، ابن الوقت اور ایسا کنجوس انسان ہے کہ اگر صبح اُٹھ کر اس کا نام لے لیا جائے تو دن بھر کھانے کو نہ ملے، آخر ہم نے اپنی آنکھوں میں تشکر کی چمک پیدا کر کے مبیّن سے کہا:

"الٰہ آباد کے امرودوں سے زیادہ تمہارا یہ خلوص کہ تم میرے لئے لائے قابلِ قدر ہے۔"

مبیّن نے کسرِ نفسی سے جواب دیا:

"لاحول ولاقوۃ، بھلا یہ بھی کوئی بات ہے میں تو اپنے گھر کے لئے کچھ امرود لایا تھا لہٰذا تمہارے یہاں بھی بچّوں کے لئے بھیج دئے ہیں البتہ اس کا خیال رکھنا کہ وہ چھ قسم کے مختلف ہیں۔ ان میں سے بعض تو یونہی کھانے کے ہیں، بعض کچالو کیلئے مخصوص ہوتے ہیں اور بعض کی جیلی اچھی ہوگی۔"

ہم نے اپنی واقفیت کا اظہار کرتے ہوئے کہا:

"وہ تو میں سب پہچان لوں گا مگر تم نے آخر اِس قدر تکلیف کیوں کی۔ اگر امرود لانا ہی تھے تو بس ایک آدھ قسم کے لے آئے ہوتے۔ تم نے گویا میرے گھر میں امرودوں کی اچھی خاصی دکان بھیج دی ہے۔"

مبیّن نے پھر تکلّف سے کہا:

"ارے نہیں جی وہ تو بس بچّوں کے لئے بھیجے ہیں۔"

میں اس وقت دراصل شکر گذاری کے

مارے مرا جا رہا تھا اور میرا دل چاہتا تھا کہ مبین کی اس سچی دوستی پر قربان ہو جاؤں اسی کے ساتھ مجھ کو افسوس بھی ہو رہا تھا کہ اب تک میں نے مبین کے متعلق اس طرح غلط رائے کیوں قائم کی تھی۔

وہ ہیرا تھا مگر میں نے اس کو ہمیشہ پتھر سمجھا۔ وہ موتی تھا مگر میں اس کو کنکر جانتا رہا۔ میں اس وقت مبین کی اس محبت سے اس قدر متاثر ہوا تھا کہ غیر ارادی طور پر دوستی اور خلوص کے اس فرشتہ کی پرستش کو دل چاہتا تھا۔ میں نے مبین کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر محبت سے دبایا اور اس کو تقریباً گلے لگا کر کہا:

"اچھا مبین یہ تو بتاؤ کہ تم نے کبھی اس بیحد و پایاں خلوص کا بھی صحیح اندازہ کیا ہے جو مجھ کو تمہارے ساتھ ہے؟"

مبین نے مسکراتے ہوئے کہا:

"کیا اس قدر خلوص کے بعد بھی اندازہ کرنے کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے؟"

سچ پوچھئے تو مبین کے اس جامع جواب میں محبت اور خلوص کی ایک دنیا سمٹ کر رہ گئی تھی اور واقعہ بھی یہی ہے کہ میں نے تو خیر آج ہی مبین کے عشق فریب خلوص کا اندازہ کیا تھا مگر وہ ہمیشہ سے صحیح معنوں میں میرا دوست تھا ورنہ ظاہر ہے کہ الہ آباد سے خاص طور پر میرے لئے امرود لانا بغیر اس خصوصیت کے ممکن نہ تھا۔ میں نے مبین کے نورانی چہرہ پر غور سے نظر ڈالی اور اسکے پُر خلوص دل کی گہرائیوں تک اپنے تخیلات کو پہنچا کر خود بخود جھوم گیا۔ مجھ کو اس وقت یہ محسوس ہو رہا تھا کہ گویا مبین کا خلوص مجھ کو اس دنیا سے اُڑا کر کسی ایسے عالم میں پہنچا آیا ہے جہاں سوائے خلوص اور محبت کے کچھ اور نہیں ہے میں مبین کا شکریہ ادا کرنا چاہتا تھا کہ آج سے میں اس کا ایک ادنیٰ خادم ہوں مگر مجھ کو الفاظ نہ ملتے تھے۔ میں مبین کے اس محبت آمیز سلوک کا جواب دینا چاہتا تھا مگر توبہ کیجئے اس وقت مجھ سے یہ بھی ممکن نہ تھا۔ میں چاہتا تھا کہ مبین کو اُٹھا کر آنکھوں میں بٹھا لوں اور پھر دل میں رکھ لوں مگر یہ بھی نہ ہو سکتا تھا آخر میں نے اپنے کو بہ مشکل تمام اس روحانیت سے علیحدہ کر کے مادی طور پر مبین سے کہا:

"کل صبح کھانا میرے ہی ساتھ کھانا"

مبین راضی ہو گیا اِس لئے کہ وہ سچا دوست تھا اور سچی دوستی میں تکلفات کی گنجائش نہیں ہوتی لیکن میں دراصل تکلف برتنا چاہتا تھا۔ اور جب مبین نے میری دعوت قبول کر لی تو میں نے بھی طے کر لیا کہ یہ دعوت صحیح معنوں میں مبین ایسے پُر خلوص دوست کے شایانِ شان ہونی چاہیئے۔ اس موقع پر چند اپنے اور چند مبین کے احباب کو مدعو کرنا بھی ضروری تھا لہٰذا گھر جانے سے پہلے ہی میں نے مناسب سمجھا کہ چودھری صاحب، مرزا صاحب، مسعود صاحب اور محمود صاحب کو بھی دعوت کی

اطلاع دے دوں تاکہ مبین کی دلچسپی کے تمام سامان موجود رہیں لیکن مبین کے لائے ہوئے امرودوں کا مصرف یہ تو ہو نہیں سکتا تھا کہ یہ چار چھ آدمی دعوت میں آکر ان چھ اقسام کے مختلف امرودوں کو وصول کرلیں اس لئے کہ چھ اقسام کے یہ مختلف امرود یہ گنتی کے چند آدمی نہیں کھا سکتے تھے لہٰذا ہم نے یہ طے کیا کہ کچھ امرود تو اس دعوت میں صرف ہو جائیں گے باقی اس طرح تقسیم کر دئے جائیں گے کہ تھوڑی سی جیلی اور کچھ امرود تو ڈپٹی صاحب کے یہاں بھیج دیں گے اس لئے کہ وہ بے چارے بھی ہمیشہ کرم فرماتے رہتے ہیں۔ ہولی، دیوالی کوئی تہوار ہو ان کے یہاں سے حصہ ضرور آتا ہے۔ کچھ اچھے پھل چھانٹ کر صاحب کے یہاں بھیج دیں گے وہ بھی خوش ہو جائیں گے باقی سسرال بھیج دیں گے تاکہ بیگم صاحبہ کے گھر والے بھی تو دیکھیں کہ ہمارے کیسے کیسے دوست ہیں۔

ہم اسی پروگرام کی ترتیب میں محو چلے جا رہے تھے کہ سسرال کے عین پھاٹک پر ہمارے سالار جنگ بہادر نے سلام علیکم دولہا بھائی کہہ کر گرفتار کر لیا اور اب ہم کو مجبوراً گھر میں بھی جانا پڑا۔ ورنہ یہی کہا جاتا کہ اس طرف سے گذرتے ہیں تو بھی گھر نہیں آتے۔

گھر میں ادھر اُدھر کی باتوں کے بعد ہم نے اپنی تمام سالیوں کو دعوت دی کہ کل اعلیٰ درجہ کے الہ آبادی امرود کھلائیں گے۔ سب نے پوچھا۔ بھئی کہاں ہاتھ مارا مگر ہم نے یہی کہہ کر ٹال دیا کہ مبین نے الہ آباد میں امرودوں کا ایک باغ لیا ہے۔ اس کی پہلی فصل ہمارے یہاں بھیج دی ہے اس میں سے یہاں بھی بھیجے جائیں گے۔

اس وعدہ کے بعد ہم نے بمشکل تمام اجازت حاصل کی اور سسرال سے روانہ ہو کر چودھری صاحب کے یہاں جا رہے تھے کہ راستہ میں نسیم مل گئے اور ان کو دیکھتے ہی ہم کو یاد آیا کہ کل دعوت میں ہم کو چاہیئے کہ ان کو بھی مدعو کریں لہٰذا ان سے بھی کہہ دیا کہ بھائی کل صبح ہمارے ہی ساتھ کھانا کھانا۔ انہوں نے اس ہنگامی دعوت کی وجہ پوچھی تو ہم نے کہہ دیا:

دعوت تو خیر یُوں ہی ہے اصل میں تم کو الہ آباد کے امرود اور جیلی وغیرہ کھلانا ہے چوہدری صاحب ہوں گے اور مرزا صاحب، مسعود، محمود اور مبین بھی ہوں گے۔ تھوڑی دیر دلچسپی رہے گی

نسیم نے دعوت قبول کر لی اور ہم چوہدری صاحب کی طرف لپکے اس لئے کہ اس مختصر وقت میں سب صاحبان کو اطلاع بھی دینا تھی اور پھر گھر پہنچ کر جو سب سے زیادہ مشکل کام تھا وہ یہ کہ جیلی تیار ہو جائے اس لئے کہ یہی کم بخت ایک جھگڑے کی چیز ہوتی ہے اور اس کو اسی وقت تیار کر لینا زیادہ اچھا تھا لیکن باوجود اس جلدی کے چودھری صاحب کے یہاں پہنچنے سے قبل ہی صاحب کا خانساماں مل گیا اور ہم نے مناسب سمجھا کہ اس کو اطلاع دے دیں

کہ صاحب کے لئے کچھ امرود یہاں کل بھیجیں گے تا کہ وہ اگر جیلی وغیرہ بنانا چاہے تو ابھی سے اِنتظام کرلے۔ ہم نے خانساماں سے صرف یہی کہہ دیا کہ ہمارے سسرال کے باغ سے امرود آئے ہیں وہ کل صاحب کے لئے بھیجیں گے تم خود ان کو پیش کر دینا اور تمہارے لئے علیحدہ ہوں گے وہ تم رکھ لینا، خانساماں نے اس تحفہ کا صاحب کی طرف سے بالکل صاحب کے انداز سے شکریہ ادا کیا اور ہم اس سے رخصت ہو کر چودھری صاحب کے مکان کی طرف تیزی سے بڑھے چودھری صاحب کے مکان سے پہلے ہی مسعود اور محمود کا مکان پڑتا تھا لہٰذا ان حضرات کو دعوت کی اطلاع دی اور ان کے یہاں سے چودھری صاحب کے یہاں پہنچے۔ یہ بھی بالکل اتفاق سمجھئے کہ چودھری صاحب کے یہاں ڈپٹی صاحب بھی آئے ہوئے تھے لہٰذا ڈپٹی صاحب کی موجودگی میں چودھری صاحب کو مدعو کرنا تو مناسب نہ سمجھا البتہ ان کے واپس ہونے کے انتظار میں اس وقت تک وہاں بیٹھنا پڑا جب تک کہ وہ رخصت نہیں ہوئے۔ ڈپٹی صاحب جب چودھری صاحب کے یہاں سے جانے لگے تو ہم نے ان سے بھی کہہ دیا کہ کل کچھ امرود آپ کی خدمت میں پیش کروں گا ان کو قبول فرما کر ذرّہ نوازی فرمائیے گا اور میرے گھر میں جیلی خاص طور پر بنائی جاتی ہے وہ بھی بھیجوں گا ڈپٹی کمشنر نے کھیسیں نکال کر بڑی خوشی کے ساتھ اس تحفہ کو قبول فرمانے کا وعدہ فرمایا اور سگار چباتے ہوئے اپنی ٹم ٹم پر دفان ہو گئے تو ہم نے چودھری صاحب کو دعوت دی۔ چودھری صاحب نے بھی باوجود اِنتہائی مصروفیت کے دعوت کو ردّ نہیں کیا بلکہ اس "مکلّف الخدمت" کو ماحضر تناول فرما کر ممنون فرمانے کا وعدہ کر لیا۔

چودھری صاحب سے رخصت ہو کر ہم الٰہ آباد کے لطیف امرودوں کے خوشبودار اور خوش ذائقہ تخیّل میں محو ہو کر گھر کی طرف روانہ ہوئے اس وقت ہمارا دماغ امرودوں کے "کچا لو طلب" اور "جیلی آور" خیالی خوشبو سے بھرا ہوا تھا اور نظر کے سامنے الٰہ آباد کا وہی خوبصورت پھل تھا جس کے متعلق اکبر ایسے مایۂ ناز شاعر نے بھی اپنے مخصوص انداز میں کہا ہے

کچھ الٰہ آباد میں ساماں نہیں بہبود کے
یاں دھرا کیا ہے بجز اکبر کے اور امرود کے

ظاہر ہے کہ اب تو اکبر رہے نہیں، لے دے کے اب تو حاصل الٰہ آباد صرف وہی چیز رہ گئی ہے جس کو عرفِ عام میں امرود کہتے ہیں اور واقعہ بھی یہی ہے کہ اب صرف امرود ہی الٰہ آباد کی ایک ایسی خصوصیّت ہے کہ لکھنؤ نہیں بلکہ ایسے ہزاروں لکھنؤ اس امرود والے الٰہ آباد پر قربان کئے جا سکتے ہیں اور صرف اسی خصوصیّت کی وجہ سے اس امرودوں کے شہر کو صوبہ جات کا متحدہ نہیں بلکہ ہندوستان کا پایہ تخت ہونا چاہیئے تھا......

بات اصل میں یہ ہے کہ الٰہ آباد کے امرود بھی تو قیامت کے ہوتے ہیں جس مکان میں ایک

امرود پہنچ جائے بس وہاں خوشبو کی وجہ سے "بُوئے الٰہ آبادی آید" کا مضمون ہوگا۔ پھر حُسن کا یہ حال ہے کہ سفید سفید مرمریں امرودوں پر سُرخ حنائی رنگ کی چھتیاں، معلوم یہ ہوتا ہے کہ کسی یخ بستہ میدان پر جا بجا آگ لگی ہوئی ہے یا کسی حسین کو رات بھر مچھروں نے ستایا ہے یا وادیٔ کشمیر میں جا بجا میخانے کُھلے ہوئے ہیں۔ پھر..... ان کے سر سبز پتّے جن کا لُطف وہی حضرات سمجھ سکتے ہیں جن کے گھروں میں بکریاں پلی ہوں۔

یہ تو ہوئیں تمام بیرونی خوبیاں، رہ گئیں ان کی اندرونی لطافتیں اس کی تفصیل بیان کرنے کے لئے کاغذ پر زبان سے لکھنا چاہیئے یا پھر امرود سے۔ مختصر یہ کہ الٰہ آباد کی قسمت میں جنّت کا یہ پھل لکھا ہؤا تھا جس نے الٰہ آباد کو دُنیا کی جنّت بنا دیا ہے۔

ہم امرودوں کے متعلق انھی خیالات میں محو گھر پہنچے۔ دروازہ میں قدم رکھتے ہی ہم نے اپنی ناک کے دونوں نتھنے پھڑ پھڑائے تاکہ اب اس شامہ نواز خوشبو کو حقیقی طور پر بھی سُونگھ سکیں جس کو اب تک محض تخیلات میں سُونگھ رہے تھے لیکن امرود کی خوشبو کی بجائے وہی خوشبو ناک میں سے گزر کر دماغ کے ٹکڑے اُڑانے لگی جو ڈیوڑھی میں بندھی ہوئی بکریوں کی وجہ سے ڈیوڑھی کو محکمہ حفظانِ صحت کے لئے ایک غور طلب مسئلہ بنائے ہوئے تھی۔ اس کے علاوہ ہم کو یہ دیکھ کر تعجب ہؤا کہ ان غریب بکریوں کو اب تک امرود کے خوش ذائقہ پتّے نہیں دئے گئے۔ اگر امرودوں کو اب تک اِس لئے صَرف نہیں کیا گیا تھا کہ ہم آکر ان کو دیکھ لیں تو پتّوں کی حفاظت بھی ضروری تھی، مگر یہ بھی ٹھیک ہے کہ پتّے توڑ دینے کے بعد امرود پر عجیب قِسم کی بیوگی برسنے لگتی ہے لہٰذا امرود کے سہاگ کا منظر دکھانے کے لئے ابھی پتّے توڑے نہ گئے ہوں گے۔

ہم یہی سوچتے ہوئے گھر کے اندر داخل ہو گئے اور ہر طرف گھبرائی ہوئی نظر ڈالی کہ کس طرف امرودوں کا ڈھیر لگا ہے مگر ہم کو کہیں امرود نظر نہ آئے۔

آخرکار ہم نے بیگم سے پُوچھا:

"امرود؟"

جواب ملا "نعمت خانہ میں ہیں"۔

ہم نے حیرت سے کہا "کیا کہہ رہی ہو؟ مَیں پوچھتا ہوں وہ سب امرود کہاں ہیں جو مبین صاحب نے بھیجے ہیں"۔

بیگم نے کہا "کہہ تو رہی ہوں کہ وہ چھ امرود نعمت خانہ میں ہیں"۔

ہم کو بیگم کی اس بے وقوفی پر غصّہ آ گیا۔

"چھ امرود؟ یعنی ایک ایک قسم کا ایک ایک امرود نعمت خانہ میں رکھ دیا اور باقی؟"

بیگم نے کہا؟ "اور باقی کیسے بس؟"

ہم نے ٹھنڈے دِل سے غور کر کے سمجھ لیا کہ بے چاری بیوقوف عورت غالبًا ہمارا مطلب نہیں سمجھی لہٰذا ہم نے پھر پوچھا:

"مبین صاحب کے یہاں سے الہ آباد کے امرود چھ قسم کے آئے ہیں۔ کہو، ہاں .... ان میں ایک ایک تو تم نے حفاظت سے نعمت خانہ میں رکھ دیا۔ کہو، ہاں .... اب میں یہ پوچھتا ہوں کہ باقی سب کہاں رکھے ہیں ؟"

بیگم نے چیں بجبیں ہو کر کہا:

"چلے وہاں سے پاگل بنانے۔ کہہ تو دیا کہ مبین صاحب کے ہاں سے چھ امرود آئے تھے وہ نعمت خانہ میں رکھے ہیں۔"

ہم نے دانت پیس کر بیگم سے خوشامدانہ لہجے میں کہا:

"چھ نہیں، بلکہ یہ کہو کہ چھ قسم کے امرود آئے تھے۔"

بیگم نے کہا "مجھ کو قِسم وِسم تو معلوم نہیں بس چھ امرود آئے تھے وہ سب نعمت خانہ میں موجود ہیں۔"

اب ہمارا دماغ چکرانے لگا اور ہم نے اس سوال کو پھر سے پوچھا:

"کُل کتنے امرود آئے ؟"

بیگم: "توبہ ہے ...... چھ، چھ، چھ .... بار بار کہہ رہی ہوں چھ۔"

ہم: "یعنی صرف چھ یا چھ، چھ، چھ .... تمہارا کیا مطلب ہے ؟"

بیگم نے مُنہ پھیر کر کہا:

"اونہ ..... ہم نہیں جانتے ..... واہ۔"

ہم: "میرا مطلب یہ ہے کہ ہر چھ قسم کے چھ چھ یا صرف چھ بحیثیت مجموعی ؟"

بیگم نے کہا: "صرف چھ، کُل چھ، بس چھ۔"

اب ہم کو یہ خیال پیدا ہوُا کہ شاید ہماری بیگم صاحبہ چھ سے زیادہ گنتی ہی نہیں جانتی ہیں لہٰذا ہم نے آخری مرتبہ کہا:

"تم چھ کس کو کہتی ہو۔"

بیگم نے ایک ہاتھ کی پانچوں انگلیاں اور دوسرے ہاتھ کا انگوٹھا اُٹھا کر کہا "مَیں اس کو چھ کہتی ہوں۔"

ہم: "یعنی وہ چھ کہ نصف جن کے تین ہوتے ہیں۔"

بیگم نے ہنس کر کہا: "آخر یہ آج آپ کو ہوُا کیا ہے؟"

ہم نے کہا "اچھا اب مذاق تو ختم کرو، یہ بتاؤ کہ سب امرود کہاں ہیں؟"

اب بیگم نے قسم کھا کر کہہ دیا کہ صرف چھ امرود آئے ہیں اور ساتھ ہی خود نعمت خانہ سے وہ چھ امرود ہمارے سامنے لا کر رکھ دئے جو لکھنؤ کی منڈی میں پیسہ ڈھیر کے حساب سے فروخت ہوتے ہیں۔

غالباً اس کے بعد یہ عرض کرنے کی ضرورت نہیں کہ دوسرے دن ہم کو منڈی سے الہ آباد کے امرود اور بازار سے امرود کی جیلی کتنی تعداد میں لانا پڑی۔

البتہ یہ ضرور عرض کریں گے کہ لکھنؤ میں الہ آباد کے امرود سات آٹھ آنے سیر سے کم ملتے ہی نہیں اور گویا ہم کو چاہیئے تھے بیس پچیس سیر لہٰذا اس رقم اور دعوت کے مصارف کو ملا کر میزانِ کُل پر ہماری بدھیا بیٹھی ہوئی نظر آتی تھی باقی رہے مبین تو ان کے متعلق ہماری وہی رائے ہے جو امرود لانے سے قبل تھی اور غالباً وہی رائے صحیح ہے۔ (خواہ مخواہ صفحہ ۱۲۶ تا ۱۲۹)

Monthly **KHALID** RABWAH

Regd. No. L5830 EDITOR MUNIR AHMAD JAVED March 1985